معارف الحدیث

جلد چہارم

یعنی

احادیث نبویؐ کا ایک جدید انتخاب
اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

تالیف

محمد منظور نعمانی

کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

ناشر: — کتب خانہ "الفرقان" کچہری روڈ — لکھنؤ

[illegible]

[illegible]

پیشکش

اُن سب خوش نصیبوں کی خدمت میں ——— جو

نبی اُمّی سیّدنا حضرت محمد عربی (فداہُ اُمّی وابی) پر

ایمان رکھتے ہیں ——— اور

آپ کی ہدایت اور اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم کی

نجات کا یقین کرتے ہیں ——— اور

اس لئے آپ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آیئے!

علم و تصور ہی کے راستہ سے مجلسِ نبوی میں حاضر ہوں

آپ کے ارشادات سنیں ——— اور

اس چشمۂ انوار سے

اپنے تاریک دلوں کے لئے روشنی حاصل کریں!

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین "معارف الحدیث" (جلد چہارم) - بقیہ صفحہ

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
ابوابِ جنت کے کھول دیئے جانے، ابوابِ دوزخ کے بند کئے جانے اور شیاطین کے جکڑ دیئے جانے کا مطلب۔	۹۷
رمضان کی آمد پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ	۹۹
شبِ قدر کے "ایک ہزار مہینوں" سے بہتر ہونے کا مطلب	۱۰۱
روزہ کی قدر و قیمت اور اس کا صلہ	۱۰۴
ایمان و احتساب کے ساتھ روزہ اور تراویح باعثِ مغفرت	۱۰۸
ایمان و احتساب کا مطلب	۱۰۹
روزہ اور قرآن کی شفاعت	۱۰۹
رمضان کا ایک روزہ چھوڑنے کا نقصان ناقابلِ تلافی	۱۱۰
روزہ میں معصیتوں سے پرہیز	۱۱۱
رمضان کا عشرۂ اخیرہ اور لیلۃ القدر	۱۱۲
شبِ قدر کی خاص دُعا	۱۱۶
رمضان کی آخری رات بھی مغفرت کی خاص رات	۱۱۷
اعتکاف	۱۱۷
رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف وفات شریف تک حضورؐ کا معمول رہا	۱۱۹
اعتکاف کی پابندیاں	۱۲۱
اعتکاف کی پابندی کی وجہ سے معتکف جو اعمالِ صالحہ نہیں کر سکتا اس کے اعمالنامہ میں اُن کا ثواب بھی لکھا جاتا ہے۔	۱۲۲
رویتِ ہلال	۱۲۲
شریعتِ اسلامی میں مہینے اور سال کیلئے قمری نظام اختیار کئے جانے کی مصلحت و حکمت	۱۲۳

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ نہایت عظیم اور روشن ترین معجزہ ہے کہ باوجودیکہ آپ اُمّی تھے، اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے تھے، لیکن آپ کی ہدایت و تعلیم نے دنیا کا عظیم ترین کتب خانہ پیدا کر دیا ـــــ اس کتب خانہ کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک وہ جس کا تعلق آپ کے لائے ہوئے قرآن مجید سے ہے، جو در اصل کلام اللہ ہے، جس کے الفاظ بھی آسمانی اور الہامی ہیں ـــــ اور دوسرا وہ جس کا تعلق آپ کے ارشادات و ہدایات اور آپ کی پیغمبرانہ زندگی سے ہے، جس کو حدیث کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں غور و خوض سے جو سیکڑوں علوم پیدا ہوئے، ان میں جو لاکھوں کتابیں لکھی گئیں اور جو وسیع و مستقل کتب خانہ صرف اسی سے متعلق وجود میں آیا جس میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اس وقت اُس کے بارے میں کچھ عرض کرنا نہیں ہے۔ صرف حدیث سے متعلق جو علوم مدوّن ہوئے اور ان میں جو کتابیں لکھی گئیں یقیناً اُن کا شمار بھی لاکھوں سے کم نہیں ہے ـــــ احادیث کے جو ہزاروں مجموعے مسانید[1]، معاجم، جوامع اور سنن وغیرہ کی شکلوں میں عہدِ نبوی سے اس وقت تک

---

[1] احادیث کا جو مجموعہ اس طرح تیار کیا جائے کہ ہر صحابی کی مرویات اس میں یکجا اور الگ الگ ہوں، اُس کو محدثین کی اصطلاح میں مُسند کہتے ہیں، جیسے مُسند احمد، مُسند حمیدی وغیرہ۔ اور اگر بجائے صحابی کے (بقیہ ص۱۲ پر)

تیار ہوئے، پھر اُن کے راویوں کے سوانح و تراجم، ان کی تنقید اور جرح و تعدیل پر جو بے شمار کتابیں لکھی گئیں، پھر احادیث کی تشریح، حلِ لغات اُن سے احکام کے استخراج و استنباط اور حِکَم و اَسرار پر جو کتابیں مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں امت کے اہلِ علم نے لکھیں، جن میں اضافہ کا سلسلہ برابر جاری ہے، اگر ان سب کا صرف ایک ایک نسخہ جمع کیا جائے تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ کوئی وسیع سے وسیع عمارت بھی صرف حدیث سے متعلق اس ذخیرے کے لئے کافی نہیں ہوگی

واقعہ یہ ہے کہ حدیثِ نبویؐ کی خدمت کے سلسلہ میں ہر دور اور ہر علاقے کے مخصوص تقاضوں کے مطابق، اسلام کی گذشتہ تیرہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے خادمانِ حدیث سے جو کام لیا ہے اور جس طرح لیا ہے وہ اہلِ بصیرت کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ کی خاص نشانی اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی روشن دلیل ہے۔

یہ سلسلۂ "معارف الحدیث" بھی (جس کی یہ چوتھی جلد آپ کے سامنے ہے) (مصنّف کی علمی تہی مائیگی اور بے حیثیتی سے قطعِ نظر) اپنے مبارک موضوع کے لحاظ سے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اُس ربِّ کریم کا شکر ادا کرنے سے زبان قاصر ہے جس نے اپنے ایک نااہل اور گنہگار بندے کو یہ توفیق بخشی کہ وہ بھی خادمانِ حدیث کے زمرے میں شامل ہو ______ سُبحان اللہ! ایک غریب مسکین بڑھیا کو بھی توفیق ملی کہ وہ اپنی کل مایہ ہاتھ کا کاتا ہوا چند تولے سوت لیکر خریدارانِ یوسفؑ کی

(ص۱۱ کا بقیہ حاشیہ) مؤلف نے اسی طرح اپنے ہر استاذ کی مرویات الگ الگ جمع کی ہوں تو ایسے مجموعہ کو مُعجَم کہتے ہیں، جیسے طبرانی کی مُعجم کبیر، مُعجم اوسط، مُعجم صغیر۔ اور اگر احادیث کو مضامین اور ابواب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہو، تو دین و شریعت کے تمام ابواب پر حاوی ہونے کی صورت میں اُس کو جَامِع کہا جاتا ہے، جیسے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ۔ اور اگر اُس میں فقہی ابواب ہی کو زیادہ اہمیت سے جمع کیا گیا ہو تو اُس کو سُنَن کہا جاتا ہے، جیسے: سنن ابی داؤد اور سنن نسائی وغیرہ۔ ۱۲

قطار میں کھڑی ہو جائے۔ لک الحمد یا ربی۔ ؎

من آں خاکم کہ ابرِ نو بہاری ٭ کند از لطف برمن قطرہ باری
اگر روید از تن صد زباں ٭ چو سوسن شکر لطفش کے توانم

حدیث نبوی کا مستند ذخیرہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ زندگی کا ریکارڈ ہے جو آپ کی زندہ شخصیت کے قائم مقام ہے، جن اہلِ ایمان نے اس حیاۃ دنیا میں آپ کو نہیں پایا وہ اس حدیثی ذخیرے کے ذریعہ بڑی حد تک آپ کو پا سکتے ہیں، اور قریب قریب ویسے ہی قلبی اطمینان کے ساتھ آپ کے ارشادات کی تعمیل اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کر سکتے ہیں جس اطمینان کیساتھ قرنِ اول کے وہ خوش نصیب مومنین کرتے تھے جنھوں نے ایمان کے ساتھ آپ کو اس زندگی ہی میں پا لیا تھا۔

اس سلسلۂ "معارف الحدیث" کی تالیف کا اصل مقصد یہی ہے کہ ہمارے جو بھائی اصل کتب حدیث کا مطالعہ کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ طیبہ اور آپ کی تعلیم و ہدایت کے بارے میں وہ واقفیت حاصل نہیں کر سکتے جو کتب حدیث ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، اور اس راستہ سے دربارِ نبوی تک نہیں پہونچ سکتے، اُن کے لئے بھی یہ راستہ کھل جائے اور وہ بھی اس بارگاہِ عالی تک رسائی حاصل کر سکیں۔

اُمید ہے کہ جو صاحبِ ایمان بندے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت کو قلب میں بیدار کر کے سچی طلب اور ادب کے ساتھ اس سلسلہ کا مطالعہ کریں گے انشاء اللہ انھیں یہ دولت نصیب ہوگی اور احادیثِ نبوی کے خاص انوار و برکات سے ان کو حصہ ملے گا، اور حضورِ انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ ایک خاص قرب و نسبت محسوس کریں گے۔

جیسا کہ اس سلسلۂ "معارف الحدیث" کے ناظرین کو معلوم ہے اس کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ

حدیث کی کوئی کتاب سامنے رکھ لی گئی ہو اور تشریحات کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جا رہا ہو، بلکہ اس کی تالیف میں طریقۂ کار یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے موضوع اور باب سے متعلق وسیع ذخیرۂ حدیث کا مطالعہ کرکے ان احادیث کا انتخاب کیا جاتا ہے جن کو مذکورۂ بالا مقصد کے لحاظ سے اس میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے انھیں ترتیب دیا جاتا ہے اور ان کا ترجمہ اور حسب ضرورت تشریح میں کچھ لکھا جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر ہر باب کے شروع میں دورِ حاضر کے خاص فکری رجحانات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پر اس باب سے متعلق حضور کی تعلیم و ہدایت کے حِکَم و مصالح پر بھی کلام کیا جاتا ہے ـــــ اس پورے کام میں بنیادی نقطۂ نظر یہی رہتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم اور آپ کی پیغمبرانہ زندگی کی تصویر اس طرح سامنے آجائے کہ اس کا مطابقِ فطرت، سراسر مبنی بر حکمت، اور انسانیت کے لئے باعثِ صلاح و فلاح ہونا بھی کھلتا چلا جائے، اور ناظرین کے قلوب میں نورِ یقین و اطمینان اور جذبۂ عمل بھی پیدا ہو۔

اس سلسلہ کی تین جلدیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ جلد اوّل میں ابواب ایمان و آخرت کی، اور جلد دوم میں اخلاق اور رقاق کی حدیثیں جمع کرکے پیش کی گئی تھیں۔ جلد سوم میں ابواب طہارت اور عبادات اربعہ (نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کی حدیثیں جمع کرکے نذرِ ناظرین کرنے کا ارادہ تھا، لیکن ضخامت کے بہت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے اس جلد کو کتاب الصلوٰۃ ہی پر ختم کر دیا گیا تھا، باقی حصہ (یعنی کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج) اس چوتھی جلد میں پیش کیا جا رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا خاص مقصد یہ ہے کہ وہ بندوں کو ان کے مالک و پروردگار سے وابستہ کریں اور اس کا عبادت گزار بنائیں جو کہ ان کی تخلیق کا مقصد ہے (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝) اسی لئے وہ ایمان باللہ اور توحید کی دعوت دینے کے بعد سب سے پہلے ان کو اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں ـــــ انسانی اعمال میں عبادات ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ

ان کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور فدویت کا اظہار کرتا ہے اور ان کی تاثیر سے اس کی زندگی عبدیت کے رنگ میں رنگتی ہے۔ نیز عبادات ہی کے ذریعہ ملاءِ اعلیٰ سے خاص رابطہ اور حق تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور اس میں مسلسل ترقی ہوتی ہے ——— اسی لئے آسمانی شریعتوں میں ایمان کے بعد سب سے اہم اور مقدم حکم اور مطالبہ عبادات کا رہا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی شہادت توحید و رسالت کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کو اسلام کے بنیادی ارکان قرار دیا ہے ——— دراصل یہی چار بنیادی عبادات ہیں اور انسانی سعادت و شقاوت کا بہت کچھ دارو مدار انھیں پر ہے۔

ان میں سے نماز کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات اور آپ کے معمولات کی حدیثیں جلد سوم میں ذکر کی جا چکی ہیں ——— باقی ارکانِ ثلثہ (زکوٰۃ، روزہ اور حج) سے متعلق احادیث اس جلد میں پیش کی جا رہی ہیں ——— پہلے خیال تھا کہ "اذکار و دعوات" کی احادیث بھی اِسی جلد میں آجائیں گی، لیکن جب ان کو جمع کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ وہ ایک مستقل جلد ہی میں آسکیں گی۔ انشاء اللہ اب اگلی پانچویں جلد "کتاب الاذکار والدعوات" ہی ہوگی ——— اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ اُس کی تیاری اور اشاعت میں زیادہ تاخیر نہ ہو۔

اِس چوتھی جلد کی احادیث بھی پہلی تینوں جلدوں کی طرح زیادہ تر مشکوٰۃ المصابیح یا جمع الفوائد سے لی گئی ہیں اور تخریج کے بارے میں انہی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اور اس بارے میں صاحب مشکوٰۃ کے طریقے کی پیروی کی گئی ہے کہ تخریج میں صحیح بخاری و صحیح مسلم یا ان میں سے کسی ایک کے حوالہ کے بعد دوسری کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے، کیونکہ ان کا حوالہ دوسری کتابوں کے حوالہ سے مستغنی کر دیتا ہے۔ بعض حدیثیں کنز العمال سے بھی لی گئی ہیں۔ اور کچھ حدیثیں براہِ راست کتب صحاح صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد وغیرہ سے بھی لی گئی ہیں، یہ وہ احادیث ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ اور جمع الفوائد میں مذکور نہیں ہیں۔

ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی تینوں جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی ——— اور اب بھی یہی ہے ——— کہ

حدیثِ نبوی کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کر کے اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا، یا سُنا جائے کہ ——— گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مُبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سُن رہے ہیں ——— اگر ——— ایسا کیا گیا تو قلب و رُوح کو اُن انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصّہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہدِ نبوی کے اُن خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست رُوحانی و ایمانی استفادہ کی توفیق بخشی تھی۔

آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے، اور اس سلسلہ کے اتمام کے لئے حُسنِ توفیق کی استدعا اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا!

اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دُعاؤں کا محتاج و طلبگار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ ——— ۱۵ مارچ ۱۹۶۷ء

كتابُ الزّكوٰة

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔

(البقرہ ۔ ع ۳۴)

اے ایمان والو! جو مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے تم اُس میں سے (ہماری راہ میں ہمارے حکم کے مطابق) خرچ کرو، قبل اس کے کہ (قیامت کا) وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی (نہ کسی کی دنیوی دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی سفارش (کسی قابلِ سزا قوم کو بچا سکے گی) اور نہ ماننے والے اصلی ظالم ہیں (جن کو قیامت میں اپنے ظلم کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا مقام :—————

یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ شہادت توحید و رسالت اور اقامت صلوٰۃ کے بعد زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ قرآن مجید میں ستر سے زیادہ مقامات پر اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا ذکر اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ان دونوں کا مقام اور درجہ قریب قریب ایک ہی ہے۔ اسی لئے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض علاقوں کے ایسے لوگوں نے جو بظاہر اسلام قبول کر چکے تھے اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے اور نمازیں پڑھتے تھے زکوٰۃ سے انکار کیا، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُن کے خلاف جہاد کا اسی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا کہ یہ نماز اور زکوٰۃ کے حکم میں تفریق کرتے ہیں جو اللہ و رسولؐ کے دین سے انحراف اور ارتداد ہے ———— صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مشہور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو جواب دیتے ہوئے انھوں نے فرمایا :————

وَاللّٰہِ لَاُقَاتِلَنَّ	خدا کی قسم نماز اور زکوٰۃ کے درمیان
مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ	جو لوگ تفریق کریں گے، میں ضرور
وَالزَّکٰوۃِ	اُن کے خلاف جہاد کروں گا۔

پھر تمام صحابۂ کرامؓ نے اُن کے اس نقطۂ نظر کو قبول کر لیا، اور اس پر سب کا اجماع ہو گیا۔

اسی سلسلۂ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد کے بالکل شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں آپؐ نے اسلام کے ارکان اور بنیادی احکام

و مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ ہی کا ذکر کیا ہے ——— بہرحال قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وخطبات میں اقامت صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا ذکر عموماً اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا درجہ قریب قریب ایک ہی ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی خاص رابطہ ہے ۔

زکوٰۃ کے تین پہلو :———

زکوٰۃ میں نیکی اور افادیت کے تین پہلو ہیں :—— ایک یہ کہ مومن بندہ جس طرح نماز کے قیام اور رکوع و سجود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی اور تذلل و نیازمندی کا مظاہرہ جسم و جان اور زبان سے کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے وہ اس کی بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے، اور اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے وہ اس کو قربان کرتا اور نذرانہ چڑھاتا ہے ——— زکوٰۃ کا شمار "عبادات" میں اسی پہلو سے ہے ۔ دین و شریعت کی خاص اصطلاح میں "عبادات" (جیسے کہ پہلے بھی اپنے موقع پر ذکر کیا جا چکا ہے) بندے کے انہی اعمال کو کہا جاتا ہے جن کا خاص مقصد و موضوع اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا اور اس کے ذریعہ اس کا رحم و کرم اور اس کا قرب ڈھونڈھنا ہو۔

دوسرا پہلو زکوٰۃ میں یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ کے ضرورت مند اور پریشان حال بندوں کی خدمت و اعانت ہوتی ہے ۔ اس پہلو سے زکوٰۃ اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے ۔

تیسرا پہلو اس میں افادیت کا یہ ہے کہ حُبِّ مال اور دولت پرستی جو ایک ایمان کُش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے، زکوٰۃ اس کا علاج اور اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے ۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے :-

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔
(سورۂ توبہ ع ۱۳)

اے نبیؐ! آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجیے جس کے ذریعہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے نفوس کا تزکیہ ہو۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى۔
(سورۂ اللیل)

اور اس آتش دوزخ سے وہ نہایت متقی بندہ دور رکھا جائے گا جو اپنا مال راہِ خدا میں اس لئے دیتا ہو کہ اس کی روح اور اس کے دل کو پاکیزگی حاصل ہو۔

بلکہ زکوٰۃ کا نام غالباً اسی پہلو سے زکوٰۃ رکھا گیا ہے کیونکہ زکوٰۃ کے اصل معنی ہی پاکیزگی کے ہیں۔

زکوٰۃ کا حکم اگلی شریعتوں میں:

زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اس کا حکم اگلے پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ ہی ساتھ برابر رہا ہے۔

سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسحٰق اور پھر ان کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۔
(سورۂ انبیاء ع ۵)

اور ہم نے ان کو حکم بھیجا نیکیوں کے کرنے کا (خاص کر) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا، اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

اور سورۂ مریم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ

اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ

وَالزَّکٰوۃِ - (مریم - ع ۴) کا حکم دیتے تھے -

اور اسرائیلی سلسلے کے آخری پیغمبر حضرت عیسٰی بن مریمؑ کے متعلق ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا :- ------

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتَانِیَ	میں اللہ کا ایک بندہ ہوں، اس نے
الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا	مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور نبی
وَّجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْنَمَا	بنایا ہے، اور جہاں کہیں میں ہوں
کُنْتُ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ	مجھے اس نے بابرکت بنایا ہے اور
وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۔	جب تک میں زندہ رہوں مجھے نماز
(سورۂ مریم ع ۲)	اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی ہے۔

اور سورۂ بقر میں جہاں بنی اسرائیل کے ایمانی میثاق اور اُن بنیادی احکام کا ذکر کیا گیا ہے جن کی ادائیگی کا اُن سے عہد لیا گیا تھا اُن میں ایک حکم یہ بھی بیان کیا گیا ہے :-

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ	اور نماز قائم کرتے رہنا اور زکوٰۃ
(بقرہ - ع ۱۰)	ادا کیا کرنا۔

اسی طرح جہاں سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کے اس عہد و میثاق کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں بھی فرمایا گیا ہے :- ------

وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ	اور اللہ نے فرمایا میں (اپنی مدد کیشا)
اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ	تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم قائم کرتے
وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ	رہے نماز، اور ادا کرتے رہے زکوٰۃ، اور
(مائدہ - ع ۳)	ایمان لاتے رہے میرے رسولوں پر۔

قرآن مجید کی ان آیات سے ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ہمیشہ سے آسمانی شریعتوں کے خاص ارکان اور شعائر رہے ہیں۔ ہاں ان کے حدود اور تفصیلی احکام و تعینات میں فرق رہا ہے، اور یہ فرق تو خود ہماری شریعت کے بھی ابتدائی اور آخری تکمیلی دور میں

رہا ہے مثلاً یہ کہ پہلے نماز تین وقت کی تھی پھر پانچ وقت کی ہوگئی، اور مثلاً یہ کہ پہلے ہر فرض نماز صرف دو رکعت پڑھی جاتی تھی پھر فجر کے علاوہ باقی چار وقتوں میں رکعتیں بڑھ گئیں، اور مثلاً یہ کہ ابتدائی دور میں نماز پڑھتے ہوئے سلام کلام کی اجازت تھی اس کے بعد اس کی ممانعت ہوگئی۔ اسی طرح ہجرت سے پہلے مکہ کے زمانۂ قیام میں زکوٰۃ کا حکم تھا۔ (چنانچہ سورۂ مومنون، سورۂ نمل اور سورۂ لقمان کی بالکل ابتدائی آیتوں میں اہلِ ایمان کی لازمی صفات کے طور پر اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے۔ حالانکہ یہ تینوں سورتیں مکی دور کی ہیں) لیکن اس دور میں زکوٰۃ کا مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ کے حاجت مند بندوں پر اور خیر کی دوسری راہوں میں اپنی کمائی صرف کی جائے۔ نظامِ زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اس وقت نہیں آئے تھے وہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آئے۔ پس جن مؤرخین اور مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت کے بعد دوسرے سال میں یا اس کے بھی بعد میں آیا، ان کا مطلب غالباً یہی ہے کہ اس کی حدود و تعینات اور تفصیلی احکام اس وقت آئے، ورنہ زکوٰۃ کا مطلق حکم تو یقیناً اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت سے کافی پہلے آچکا تھا۔ یہ بات قرآن مجید کی محولۂ بالا مکی سورتوں کی ان آیات کے علاوہ جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے جس میں انھوں نے حبشہ کی ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت جعفر طیار کی اُس گفتگو کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سوال کے جواب میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارف میں کی تھی۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تعلیم کے بارے میں اُن کے یہ الفاظ بھی ہیں ——

وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ الخ — اور وہ ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں۔

اور یہ معلوم ہے کہ حضرت جعفر طیارؓ اور اُن کے رفقاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ

سے بہت پہلے اسلام کے ابتدائی دور میں حبشہ جا چکے تھے۔

اسی طرح صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق شاہ روم کے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق (اس وقت کے آپ کے شدید دشمن) ابوسفیان کا یہ بیان کہ :—

یَامُرُنَا بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ	وہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں
وَالصِّلَۃِ وَالْعَفَافِ ... الخ	صلہ رحمی اور پاکدامنی کی ہدایت کرتے ہیں

اس کا واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام میں بھی نماز اور زکوٰۃ کی دعوت دیتے تھے ——— ہاں نظامِ زکوٰۃ کے تفصیلی مسائل اور حدود و تعینات ہجرت کے بعد آئے، اور مرکزی طور پر اس کی تحصیل وصول کا نظام تو سنہ ۲ھ کے بعد قائم ہوا ——— اس تمہید کے بعد زکوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھیے :———

ایمان اور نماز کے بعد زکوٰۃ کی دعوت :———

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ اِنَّکَ تَاْتِیْ قَوْمًا اَھْلَ کِتَابٍ فَادْعُھُمْ اِلٰی شَھَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاِیَّاکَ وَ

ے صحیح بخاری تفسیر سورۃ آل عمران ۱۲

كَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ ــــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کو یمن کی طرف بھیجا تو (رخصت کرتے ہوئے اُن سے) فرمایا کہ تم وہاں ایک صاحب کتاب قوم کے پاس پہونچو گے (جب تم اُن کے پاس پہونچو) تو (سب سے پہلے) اُن کو اِس کی دعوت دعوت دینا کہ وہ (اس حقیقت کو مانیں اور) اس کی شہادت ادا کریں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، اور محمدؐ اُس اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو تم ان کو بتلائیو کہ اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتلائیو کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کی ہے جو اُن میں کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور انہی میں کے فقراء اور غرباء کو دے دی جائے گی۔ پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو (زکوٰۃ کی اس وصولیابی کے سلسلے میں چھانٹ چھانٹ کے) اُن کے اچھے نفیس اموال لینے سے پرہیز کرنا (بلکہ اوسط کے حساب سے وصول کرنا، اور اس بارے میں کوئی ظلم و زیادتی کسی پر نہ کرنا) اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں ہے (وہ بلا روک ٹوک سیدھی بارگاہِ خداوندی میں پہونچتی ہے اور قبول ہوتی ہے)۔

ــــــــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ حدیث اگرچہ اس سلسلۂ معارف الحدیث کی پہلی جلد کتاب الایمان میں گذر چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح بھی کافی تفصیل سے کی جا چکی ہے، لیکن امام بخاریؒ وغیرہ کے طریقے پر یہی مناسب معلوم ہوا کہ کتاب الزکوٰۃ کا آغاز بھی اسی حدیث سے

کیا جائے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا والی اور قاضی بنا کر بھیجنے کا یہ واقعہ جس کا ذکر اس حدیث میں ہے اکثر علماء اور اہلِ سیر کی تحقیق کے مطابق ۹ھ کا ہے اور امام بخاریؒ اور بعض دوسرے اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے ـــــ یمن میں اگرچہ اہلِ کتاب کے علاوہ بُت پرست مشرکین بھی تھے، لیکن اہلِ کتاب کی خاص اہمیت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کیا اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کا یہ حکیمانہ اصول تعلیم فرمایا کہ اسلام کے سارے احکام و مطالبات ایک ساتھ مخاطبین کے سامنے نہ رکھے جائیں، اِس صورت میں اسلام اُنھیں بہت کٹھن اور ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس ہوگا، اِس لئے پہلے اُن کے سامنے اسلام کی اعتقادی بنیاد صِرف توحید و رسالت کی شہادت رکھی جائے جس کو ہر معقولیت پسند اور ہر سلیم الفطرت اور نیک دل انسان آسانی سے ماننے پر آمادہ ہوسکتا ہے خصوصًا اہلِ کتاب کے لئے وہ جانی بوجھی بات ہے ـــــ پھر جب مخاطب کا ذہن اور دل اس کو قبول کرلے اور وہ اس فطری اور بنیادی بات کو مان لے تو اس کے سامنے فریضۂ نماز رکھا جائے جو جانی، جسمانی اور زبانی عبادت کا نہایت حسین اور بہترین مرقع ہے، اور جب وہ اس کو قبول کرلے تو اس کے سامنے فریضۂ زکوٰۃ رکھا جائے اور اس کے بارے میں خصوصیت سے یہ وضاحت کردی جائے کہ یہ زکوٰۃ اور صدقہ اسلام کا داعی اور مبلغ تم سے اپنے لئے نہیں مانگتا بلکہ ایک مقررہ حساب اور قاعدے کے مطابق جس قوم اور علاقہ کے دولت مندوں سے یہ لی جائے گی اُسی قوم اور علاقہ کے پریشاں حال ضرورت مندوں میں خرچ کردی جائے گی۔

دعوتِ اسلام کے بارے میں اِس ہدایت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یہ تاکید بھی فرمائی کہ زکوٰۃ کی وصولی میں پورے انصاف سے کام لیا جائے، اُن کے مویشی اور اُن کی پیداوار میں سے چھانٹ چھانٹ کے بہتر مال نہ لیا جائے ـــــ سب کے آخر میں نصیحت فرمائی کہ تم ایک علاقے کے حاکم اور والی بن کے جارہے ہو ظلم و زیادتی

سے بہت بچو، اللہ کا مظلوم بندہ جب ظالم کے حق میں بددعا کرتا ہے تو وہ سیدھی عرش پر پہونچتی ہے۔ ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

اس حدیث میں دعوتِ اسلام کے سلسلے میں صرف شہادت توحید و رسالت، نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، اسلام کے دوسرے احکام حتیٰ کہ روزہ اور حج کا بھی ذکر نہیں فرمایا گیا ہے، جو نماز اور زکوٰۃ ہی کی طرح اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ہیں، حالانکہ حضرت معاذؓ جس زمانہ میں یمن بھیجے گئے ہیں روزہ اور حج دونوں کی فرضیت کا حکم آچکا تھا ــــــــ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مقصد دعوتِ اسلام کے اصول اور حکیمانہ طریقے کی تعلیم دینا تھا اس لئے آپؐ نے صرف ان تین ارکان کا ذکر فرمایا، اگر ارکانِ اسلام کی تعلیم دینا مقصود ہوتا تو آپؐ سب ارکان کا ذکر فرماتے، لیکن حضرت معاذؓ کو اس کی تعلیم کی ضرورت نہیں تھی، وہ اُن صحابۂ کرامؓ میں سے تھے جو علمِ دین میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا عذاب :ــــــــ

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ یُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوَّقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ یَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَیْهِ (یَعْنِیْ شِدْقَیْهِ) ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الْاٰیَة۔

ــــــــ رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے دولت عطا فرمائی پھر اُس نے اُس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی تو وہ دولت قیامت کے دن اُس آدمی کے سامنے ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گی جس کے انتہائی زہریلے پن سے اُس کے سر کے بال جھڑ گئے ہوں اور اُس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں (جس سانپ میں یہ دو باتیں پائی جائیں، وہ انتہائی زہریلا سمجھا جاتا ہے) پھر وہ سانپ اُس (زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے بخیل) کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا (یعنی اُس کے گلے میں لپٹ جائے گا) پھر اُس کی دونوں باچھیں پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیری دولت ہوں میں تیرا خزانہ ہوں ——— یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ———

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔	اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اُس مال و دولت میں جو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اُن کو دیا ہے (اور اس کی زکوٰۃ نہیں نکالتے) کہ وہ مال و دولت ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ انجام کے لحاظ سے وہ ان کے لئے بدتر ہے اور شر ہے قیامت کے دن ان کے گلوں میں طوق بنا کے ڈالی جائے گی وہ دولت جس میں انھوں نے بخل کیا (اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی) ——— (صحیح بخاری)
(آل عمران۔ ع ۱۹)	

(اور جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں قریب قریب یہی مضمون لفظوں کے معمولی فرق کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے بھی مروی ہے)۔

(تشریح) قرآن و حدیث میں خاص خاص اعمال کی جو مخصوص جزائیں یا سزائیں بیان کی گئی ہیں ان اعمال اور ان کی ان جزاؤں اور سزاؤں میں ہمیشہ کوئی خاص مناسبت ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہ ایسی واضح ہوتی ہے جس کا سمجھنا ہم جیسے عوام کے لئے بھی زیادہ مشکل نہیں ہوتا، اور کبھی کبھی وہ ایسی دقیق اور خفی مناسبت ہوتی ہے جس کو صرف خواص عرفاء اور اُمت کے اذکیاء ہی سمجھ سکتے ہیں —— اس حدیث میں زکوٰۃ نہ دینے کے گناہ کی جو خاص سزا بیان ہوئی ہے یعنی اس دولت کا ایک زہریلے ناگ کی شکل میں اس کے گلے میں لپٹ جانا اور اس کی دونوں باچھوں کو کاٹنا یقیناً اس گناہ اور اس کی اس سزا میں بھی ایک خاص مناسبت ہے —— یہ وہی لطیف مناسبت ہے جس کی وجہ سے اُس بخیل آدمی کو جو حبِّ مال کی وجہ سے اپنی دولت سے چمٹا رہے اور خرچ کرنے کے موقعوں پر خرچ نہ کرے، کہتے ہیں کہ وہ اپنی دولت اور اپنے خزانے پہ سانپ بنا بیٹھا رہتا ہے، اور اسی مناسبت کی وجہ سے بخیل و خسیس آدمی کبھی کبھی اس طرح کے خواب بھی دیکھتے ہیں۔

اس حدیث میں، نیز آل عمران کی مندرجۂ بالا آیت میں "یَوْمَ الْقِیٰمَةِ" کا جو لفظ ہے، اُس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب دوزخ یا جنّت کے فیصلے سے پہلے محشر میں ہوگا۔ حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے) زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے ایک خاص طبقہ کے اسی طرح کے ایک خاص عذاب کے بیان کے ساتھ آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: ——

حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ	اس عذاب کا سلسلہ اُس وقت تک
فَیُرٰی سَبِیْلَهٗ اِمَّا	جاری رہے گا جب تک کہ حساب کتاب
اِلَی الْجَنَّةِ وَ اِمَّا	کے بعد بندوں کے بارے میں فیصلہ
اِلَی النَّارِ ——	کیا جائے گا۔ اس فیصلے کے بعد یہ

آدمی یا جنّت کی طرف چلا جائے گا یا دوزخ کی طرف (جیسا بھی اسکے حق میں فیصلہ ہوگا)۔

یعنی جتنا عذاب وہ حساب اور آخری فیصلہ سے پہلے اٹھا چکے گا اگر اس کی بداعمالی کی سزا کے لئے اللہ کے نزدیک وہی کافی ہوگا تو اس کے بعد اس کو چھٹی اور نجات مل جائے گی اور وہ جنّت میں بھیج دیا جائے گا، اور اگر محشر کے اس عذاب سے اس کا حساب بیباق نہ ہوا ہوگا تو مزید سزا اور عذاب پانے کے لئے وہ دوزخ میں بھی بھیجا جائے گا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا وَاغْفِرْ لَنَا وَلَا تُعَذِّبْنَا۔

قیامت اور جنّت دوزخ کے عذاب و ثواب کے بارے میں جو اصولی باتیں معارف الحدیث جلد اوّل میں لکھی جا چکی ہیں جن حضرات کی نظر سے نہ گزری ہوں وہ ان کا ضرور مطالعہ کریں، ان چیزوں کے بارے میں جو ذہنی الجھنیں بہت سوں کے لئے خلجان کا باعث بنتی ہیں انشاء اللہ وہ اس کے مطالعہ سے دُور ہو جائیں گی۔

(۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا خَالَطَتِ الصَّدَقَةُ مَالًا قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ — رواہ الشافعی والبخاری فی تاریخہ والحمیدی فی مسندہ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے کہ مالِ زکوٰۃ جب دوسرے مال میں مخلوط ہوگا تو ضرور اس کو تباہ کر دے گا۔

——— (مسند شافعی، تاریخ کبیر بخاری، مسند حمیدی)

(تشریح) امام حمیدیؒ جو امام بخاریؒ کے استاد ہیں انھوں نے اپنی مسند میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کر کے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی آدمی پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ اس کو ادا نہ کرے تو بے برکتی سے اس کا باقی مال بھی تباہ ہو جائے گا۔[۱]

---

[۱] مسند حمیدی، شائع کردہ مجلس علمی (جلد اوّل) صفحہ ۱۱۵۔

اور امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں امام احمد بن حنبلؒ کی سند سے حضرت عائشہؓ کی یہی روایت نقل کر کے لکھا ہے کہ امام احمدؒ فرماتے تھے کہ اس حدیث کا مطلب اور مصداق یہ ہے کہ اگر ایک غنی آدمی (جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے) غلط طریقے پر زکوٰۃ وصول کر لے تو یہ زکوٰۃ اُس کے باقی مال میں شامل ہو کر اس کو بھی تباہ کر دے گی ــــــ راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حدیث کے الفاظ میں ان دونوں تشریحوں کی گنجائش ہے، اور ان دونوں میں کوئی تناقض اور منافات بھی نہیں ہے۔

زکوٰۃ، مال کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے: ــــــــ

(۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ "وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الْاٰيَةَ" كَبُرَ ذَالِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ اِنَّهٗ كَبُرَ عَلٰى اَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ اِنَّ اللهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَاِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ ــــــ وَذَكَرَ كَلِمَةً ــــــ لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُ ــــــ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ اَلْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَاِذَا اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ ــــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (سورۂ توبہ کی) یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ
وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَوْمَ
یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ
فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ
وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ
هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ
لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْنِزُوْنَ ۔ ———

(توبہ۔ ع ۵)

اور جو لوگ سونا چاندی (وغیرہ مال و دولت)
بطور ذخیرے کے جمع کرتے اور جوڑتے
رہتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں
خرچ نہیں کرتے، تو اے پیغمبر! آپ
ان (پرستاران دولت کو آخرت کے)
دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے
(یہ عذاب انھیں اس دن ہوگا)
جس دن کہ ان کی جمع کردہ دولت کو
دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر
اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور
ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور
ان سے) کہا جائے گا یہ ہے (تمھاری
وہ دولت) جس کو تم نے اپنے لئے جوڑا تھا اور ذخیرہ کیا تھا، پس مزا چکھو تم اپنی
دولت اندوزی کا۔

(تو جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ذخیرے کے طور پر مال و دولت جمع کرنیوالوں کے لئے آخرت کے سخت دردناک عذاب کی وعید ہے) تو صحابہؓ پر اس کا بہت بوجھ پڑا (اور وہ بڑی فکر میں پڑ گئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمھاری اس فکر اور پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کروں گا چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا کہ: حضرتؐ! آپ کے اصحاب پر اس آیت کا بڑا بوجھ ہے؟ ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ۔ اللہ پاک نے زکوٰۃ تو اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کی ادائیگی کے بعد جو مال باقی رہ جائے وہ پاک

ہو جائے ـــــ اور اسی طرح میراث کا قانون اس لئے مقرر کیا ہے کہ ـــ
ابنِ عباسؓ کہتے ہیں یہاں ایک کلمہ آپ نے کہا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا لیکن
میراث کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ میراث کا قانون اسی لئے مقرر
کیا گیا ہے کہ) تمھارے پسماندگان کے لئے سہارا ہو ـــــ حضرت عمرؓ نے
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سن کر خوشی میں) کہا اللہ اکبر! ـــ
اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ میں تم کو
وہ بہترین دولت بتاؤں جو اس کی مستحق ہے کہ اس کو حاصل کیا جائے، اور
قدر کے ساتھ رکھا جائے۔ وہ نیک خصلت اور صالح زندگی والی رفیقۂ حیات ہے
جس کو آدمی دیکھے تو روح اور دل خوش ہو اور اس سے کسی کام کو کہے تو وہ
اطاعت کرے، اور اس کو انجام دے، اور جب شوہر کہیں باہر جائے تو اس کی
عدم موجودگی میں اس کے گھر بار اور ہر امانت کی حفاظت کرے۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) سورۂ توبہ کی جس آیت کا حدیث میں ذکر ہے جب وہ نازل ہوئی تو
صحابۂ کرامؓ نے اس کے ظاہری الفاظ اور انداز سے یہ سمجھا کہ اس کا مطلب اور مطالبہ یہ ہے
کہ اپنی کمائی میں سے کچھ بھی پس انداز نہ کیا جائے اور دولت بالکل ہی جمع نہ کی جائے،
جو ہو سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات انسانوں کیلئے بہت ہی
بھاری اور بڑی دشوار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے اس بارے میں استفسار کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ: ـــ اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے
جو مال و دولت جمع کریں اور اس کی زکوٰۃ نہ ادا کریں، لیکن اگر زکوٰۃ ادا کی جائے تو پھر
باقی مال حلال اور طیب ہو جاتا ہے ـــــ آپؐ نے اس موقع پر فرمایا کہ ـــ اللہ تعالیٰ
نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کے نکالنے سے باقی مال پاک ہو جائے ـــــ

اس کے بعد آپؐ نے مزید فرمایا کہ:۔۔۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قانونِ میراث اسلئے رکھا ہے کہ آدمی کے اٹھ جانے کے بعد اُس کے پس ماندگان کے لئے ایک سہارا ہو۔۔۔ اِس جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اشارہ فرمایا ہے کہ اگر پس انداز کرنا اور مال و دولت کا جمع کرنا مطلقاً منع ہوتا تو شریعت میں زکوٰۃ کا حکم اور میراث کا قانون ہی نہ ہوتا، کیونکہ شریعت کے ان دونوں حکموں کا تعلق جمع شدہ مال ہی سے ہے، اگر مال و دولت رکھنے کی بالکل اجازت نہ ہو تو زکوٰۃ اور میراث کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصل سوال کے اس جواب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کی ذہنی تربیت کے لئے ایک مزید بات یہ بھی فرمائی کہ مال و زر سے زیادہ کام آنے والی چیز جو اِس دُنیا میں دل کے سکون اور رُوح کی راحت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، اچھی صاحب صلاح، نیک سیرت اور اطاعت شعار رفیقۂ حیات ہے، اس کی قدر مال و دولت سے بھی زیادہ کرو، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت سمجھو۔۔۔ یہ بات آپ نے اس موقع پر اِس لئے فرمائی کہ اُس دَور میں عورتوں کی بڑی ناقدری اور اُن کے ساتھ بڑی بے انصافی کی جاتی تھی۔

زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اور ضوابط:۔۔۔

زکوٰۃ کی اجمالی اور بنیادی حقیقت تو یہی ہے کہ اپنی دولت اور اپنی کمائی میں سے اللہ کی رضا کے لئے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے۔۔۔ (وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ) اور جیسا کہ عنقریب ہی ذکر کیا جاچکا ہے اسلام کے بالکل ابتدائی دَور میں یہی مجمل حکم تھا۔ بعد میں اس کے تفصیلی احکام آئے اور ضوابط مقرر ہوئے۔ مثلاً یہ کہ مال کی کن اقسام پر زکوٰۃ واجب ہوگی، کم از کم کتنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، کتنی مدت گزر جانے کے بعد واجب ہوگی، کن کن راہوں میں وہ خرچ ہو سکے گی۔

اب وہ حدیثیں پڑھی جائیں جن میں زکوٰۃ کے یہ تفصیلی احکام اور ضوابط بیان فرمائے گئے ہیں۔

کم سے کم کتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہے؟:————

(۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذُوْدٍ مِنَ الْاِبِلِ صَدَقَةٌ ———— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وَسق سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ راس اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے ———— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) عہدِ نبویؐ میں خاصکر مدینۂ طیبہ کے قرب وجوار میں، جو لوگ خوش حال و دولت مند ہوتے تھے اُن کے پاس دولت زیادہ تر تین جنسوں میں سے کسی جنس کی صورت میں ہوتی تھی۔ یا تو ان کے باغوں کی پیداوار کھجوروں کی شکل میں، یا چاندی کی شکل میں، یا اونٹوں کی شکل میں ———— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان تینوں جنسوں کا نصابِ زکوٰۃ بیان فرمایا ہے یعنی ان چیزوں کی کم سے کم کتنی مقدار پر زکوٰۃ واجب ہوگی ———— کھجوروں کے بارے میں آپؐ نے بتایا کہ پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ایک وسق قریباً چھ من ہوتا ہے، اس حساب سے پانچ وسق کھجوریں تیس۳۰ من کے قریب ہوں گی ———— اور چاندی کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ

سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ایک اوقیہ چاندی چالیس درہم برابر ہوتی ہے، اس بنا پر پانچ اوقیہ دو سو درہم برابر ہوگی جس کا وزن مشہور قول کی بنا پر ساڑھے باون تولے ہوتا ہے۔ اور اونٹوں کے بارے میں آپؐ نے بتایا کہ پانچ راسوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

اس حدیث میں صرف ان ہی تینوں جنسوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کا کم سے کم نصاب بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پانچ وسق (۳۰ من) کھجوریں ایک مختصر گھرانے کے سال بھر کے گذارے کے لئے کافی ہو جاتی تھیں، اسی طرح دو سو درہم میں سال بھر کا خرچ چل سکتا تھا، اور مالیت کے لحاظ سے قریب قریب یہی حیثیت پانچ اونٹوں کی ہوتی ہے، اس لئے اس مقدار کے مالک کو خوش حال اور صاحب مال قرار دے کر زکوٰۃ واجب کر دی گئی ہے۔[1]

(۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ فَهَاتُوْا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَلَيْسَ فِيْ تِسْعِيْنَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ فَاِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ ——— رواہ الترمذی وابوداؤد

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں میں اور غلاموں میں زکوٰۃ واجب نہیں کی گئی ہے۔

---

[1] حضرت علماء کرام کے لیے یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ اب جبکہ ان تینوں نصابوں کی مالیت میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے، اور سونے اور چاندی کی قیمت میں بھی بہت بڑا فرق ہے، اور تقریباً دنیا کے سب ملکوں میں سکہ کاغذی نوٹوں کی شکل میں ہے، اور حکومتیں اپنے سکوں کی قیمت میں مختلف عوامل کے تحت کمی بیشی کرتی رہتی ہیں تو ان حالات میں وجوب زکوٰۃ کا کم سے کم نصاب کس اصول پر متعین کیا جائے؟

پس ادا کرو زکوٰۃ چاندی کی ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم، اور ۱۹۹ درہم تک میں کچھ واجب نہیں ہے، اور جب دو سو پورے ہو جائیں تو ان میں پانچ درہم واجب ہوں گے ——— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) گھوڑے اور غلام اگر کسی کے پاس تجارت کے لئے ہوں تو حضرت سمرہ بن جندبؓ کی آگے درج ہونے والی حدیث کے مطابق اُن پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لیکن اگر تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ سواری کے لئے اور خدمت کے لئے ہوں تو خواہ اُن کی قیمت کتنی ہی ہو اُن پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں غلاموں اور گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا جو بیان ہے اُس کا تعلق اسی صورت سے ہے ——— آگے چاندی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک کسی کے پاس پورے دو سو درہم برابر چاندی نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور دو سو درہم کے بقدر ہو جانے پر (۱/۴۰) کے حساب سے پانچ درہم ادا کرنے ہوں گے۔

اموالِ تجارت پر زکوٰۃ :———

(۷) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُنَا اَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِىْ نُعِدُّ لِلْبَيْعِ ——— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کو حکم تھا کہ ہم ہر اُس چیز میں سے زکوٰۃ نکالیں جو ہم نے بیع و فروخت (یعنی تجارت) کے لئے مہیا کی ہو ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی جس مال کی بھی تجارت اور سوداگری کرے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی :

(۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ۔

رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی کو کسی راہ سے مال حاصل ہو تو اس پر اس کی زکوٰۃ اُس وقت تک واجب نہیں ہوگی جب تک اس مال پر سال نہ گزر جائے۔

(جامع ترمذی)

زیورات پر زکوٰۃ کا حکم :

(۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ امْرَأَةً اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِابْنَةٍ لَهَا فِيْ يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيْظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ اَتُعْطِيْنَ زَكٰوةَ هٰذَا؟ قَالَتْ لَا، قَالَ اَيَسُرُّكِ اَنْ يُّسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سِوَارَيْنِ مِنَ النَّارِ فَخَلَعَتْهُمَا فَاَلْقَتْهُمَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ ـــــ

رواہ ابوداؤد وغیرہ من اصحاب السنن

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون اپنی ایک لڑکی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوئی اور اُس لڑکی کے ہاتھوں میں سونے کے موٹے اور بھاری کنگن تھے۔
آپؐ نے اُس سے فرمایا کہ :۔ تم ان کنگنوں کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟۔ اُس نے عرض کیا کہ
میں ان کی زکوٰۃ تو نہیں دیتی!۔ آپؐ نے فرمایا:۔ تو کیا تمہارے لئے یہ بات خوشی
کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں کنگنوں کی (زکوٰۃ نہ دینے کی) وجہ سے قیامت کے دن
آگ کے کنگن پہنائے؟۔ اللہ کی اُس بندی نے وہ دونوں کنگن ہاتھوں سے اُتار کے
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیئے اور عرض کیا کہ:۔ اب یہ اللہ اور
اس کے رسُول کے ہیں ——————

—— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(۱۰) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ مَا بَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰى زَكٰوتُهٗ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ ——————

—————— رواہ مالک وابوداؤد

(ترجمہ) حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں سونے کے "اوضاح"
(ایک خاص زیور کا نام ہے) پہنتی تھی میں نے ان کے بارے میں رسُول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ:۔ یارسُول اللہ! کیا یہ بھی اس "کنز" میں داخل ہے
(جس پر سورۂ توبہ کی آیت "وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الاٰية" میں
دوزخ کی وعید آئی ہے)؟۔ آپؐ نے فرمایا کہ:۔ جو مال اتنا ہو جائے کہ اس کی زکوٰۃ
ادا کرنے کا حکم ہو، پھر حکم کے مطابق اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو "کنز" نہیں ہے۔

—————— (موطا امام مالک، سنن ابی داؤد)

(تشریح) ان حدیثوں ہی کی بنیاد پر امام ابو حنیفہؒ سونے چاندی کے زیورات پر
(اگر وہ بقدر نصاب ہوں) زکوٰۃ فرض ہونے کے قائل ہیں لیکن دوسرے ائمہ امام مالکؒ،

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں فرض ہے جب وہ تجارت کے لئے ہوں، یا مال کو محفوظ کرنے کے لئے بنوائے گئے ہوں لیکن جو زیورات صرف استعمال اور آرائش کے لئے ہوں، ان ائمہ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے ——

اِس مسئلہ میں صحابۂ کرامؓ کی رائے بھی مختلف رہی ہے۔ لیکن احادیث سے زیادہ تائید امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مسلک کی ہوتی ہے۔ اسی لئے بعض شافعی المسلک علماءِ محققین نے بھی اس مسئلہ میں حنفی مسلک کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے بھی رویہ اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ظاہر نصوص اسی کی تائید کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

زکوٰۃ پیشگی بھی ادا کی جا سکتی ہے: ——

(۱۱) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهٖ قَبْلَ اَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَهٗ فِيْ ذَالِكَ —— رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے پیشگی اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے ان کو اس کی اجازت دے دی ——

—— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

زکوٰۃ اور صدقات کے مستحقین: ——

(۱۲) عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهٗ فَذَكَرَ حَدِيْثًا طَوِيْلًا فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اَعْطِنِيْ مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهٗ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَرْضَ بِحُکْمِ نَبِیٍّ وَلَا غَیْرِہٖ فِی الصَّدَقَاتِ حَتّٰی حَکَمَ ھُوَ فَجَزَّأَھَا ثَمَانِیَةَ اَجْزَاءٍ فَاِنْ کُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْاَجْزَاءِ اَعْطَیْتُكَ۔

———— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپؐ سے بیعت کی ——
زیاد نے اس موقع پر ایک طویل حدیث ذکر کی اور اسی سلسلہ میں یہ واقعہ نقل کیا کہ آپؐ کی خدمت میں اس وقت ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ :۔ زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ مجھے عنایت فرمایئے ؟ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ :۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو نہ تو کسی نبی کی مرضی پر چھوڑا ہے اور نہ کسی غیر نبی کی مرضی پر، بلکہ خود ہی فیصلہ فرما دیا ہے اور ان کے آٹھ حصّے (یعنی آٹھ قسمیں) کردی ہیں. تو اگر تم ان قسموں میں سے کسی قسم کے آدمی ہو تو میں زکوٰۃ میں سے تم کو دے دوں گا۔

———— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مصارفِ زکوٰۃ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے جس حکم کا حوالہ دیا ہے وہ سورۂ توبہ کی اس آیت میں مذکور ہے :۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ	زکوٰۃ بس حق ہے مفلسوںؑ اور محتاجوںؑ کا
لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰکِیْنَ	اور اس کی تحصیلؑ وصول کا کام کرنے والوں
وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا	کا اور مؤلفۃؑ القلوب کا، نیز وہ صرف
وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُھُمْ	کی جا سکتی ہے غلاموںؑ کو آزادی دلانے
وَفِی الرِّقَابِ	اور ان کی گلو خلاصی کرانے میں اور
وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ	اور انؑ لوگوں کی مدد میں جو قرض وغیرہ کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ مصیبت میں مبتلا ہوں، اور (اسی طرح) (سورۂ توبہ، ع ۸) مجاہدوں اور مسافروں کی مدد میں۔

زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصرف ہیں جو خود قرآن مجید میں بیان فرما دیئے گئے ہیں، ان کی مختصر تشریح یہ ہے:

فقراء [۱] ـــــ یعنی عام غریب اور مفلس لوگ ـــــ فقیر عربی زبان میں غنی کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اِس لحاظ سے وہ تمام غریب لوگ اس میں آجاتے ہیں جو غنی نہیں ہیں (یعنی جن کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے) شریعت میں غناء کا معیار یہی ہے۔ کتاب الزکوٰۃ کے بالکل شروع میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے: "تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِهِمْ وَتُرَدُّ اِلٰى فُقَرَاءِهِمْ"

مساکین [۲] ـــــ وہ حاجت مند جن کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے کچھ نہ ہو اور بالکل خالی ہاتھ ہوں۔

عاملین [۳] ـــــ یعنی زکوٰۃ کی تحصیل وصول کرنے والا عملہ ـــــ یہ لوگ اگر بالفرض غنی بھی ہوں جب بھی ان کی محنت اور ان کے وقت کا معاوضہ زکوٰۃ سے دیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی دستور تھا۔

مؤلفۃ القلوب [۴]۔ ایسے لوگ جن کی تالیفِ قلب اور دلجوئی اہم دینی وملی مصالح کے لئے ضروری ہو، وہ اگر دولت مند بھی ہوں تب بھی اس مقصد کے لئے زکوٰۃ کی مد سے ان پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

رقاب [۵] ـــــ یعنی غلاموں اور باندیوں کی آزادی اور گلو خلاصی ـــــ اِس مد میں بھی زکوٰۃ خرچ کی جا سکتی ہے۔

غارمین [۶] ـــــ جن لوگوں پر کوئی ایسا مالی بار آپڑا ہو، جس کے اُٹھانے کی

ان میں طاقت و قوت نہ ہو، جیسے اپنی مالی حیثیت سے زیادہ قرض کا بوجھ یا کوئی دوسرا مالی تاوان ــــــ ان لوگوں کی مدد بھی زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔

فِی سَبِیْلِ اللہ ــــ اکثر علماء اور ائمہ کے نزدیک اس سے مراد دین کی نصرت و حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلے کی ضروریات ہیں۔

ابنُ السَّبِیل ــــ اس سے مراد وہ مسافر ہیں جنھیں مسافرت میں ہونے کی وجہ سے مدد کی ضرورت ہو۔

زیاد بن حارث صدائی کی اس حدیث میں جن صاحب کے متعلق یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ زکوٰۃ کے مال میں سے مجھے کچھ عنایت فرمادیجئے! انھیں جواب دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف خود ہی مقرر فرمادیئے ہیں، اگر تم ان میں سے کسی طبقہ میں داخل ہو تو میں دے سکتا ہوں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مجھے یہ حق اور اختیار نہیں ہے کہ اس مد میں سے میں تم کو کچھ دے سکوں ــــــ (یہاں صرف حدیث کی تشریح اور تفہیم کیلئے مصارف کا مختصر بیان کردیا گیا ہے۔ تفصیلی مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جائیں، یا علماء واصحاب فتویٰ سے دریافت کئے جائیں)۔

(۱۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْمِسْكِیْنُ الَّذِیْ یَطُوْفُ عَلَی النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰكِنَّ الْمِسْكِیْنَ الَّذِیْ لَا یَجِدُ غِنًی یُّغْنِیْهِ وَلَا یُفْطَنُ بِهٖ فَیُتَصَدَّقَ عَلَیْهِ وَلَا یَقُوْمُ فَیَسْأَلُ النَّاسَ ــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: - اصلی مسکین (جس کی صدقہ سے مدد کرنی چاہئے) وہ آدمی نہیں ہے جو (مانگنے کے لئے) لوگوں کے پاس آتا جاتا ہے (در در پھرتا ہے اور سائلانہ چکر لگاتا ہے) اور ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں (جب اس کے ہاتھ پر رکھ دیجاتی ہیں تو) لے کر واپس لوٹ جاتا ہے۔ بلکہ اصل مسکین وہ بندہ ہے جس کے پاس اپنی ضرورتیں پوری کرنے کا سامان بھی نہیں ہے، اور (چونکہ وہ اپنے اس حال کو لوگوں سے چھپاتا ہے اس لئے) کسی کو اس کی حاجت مندی کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ صدقہ سے اس کی مدد کی جائے، اور نہ وہ چل پھر کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) حدیث کا مدعا یہ ہے کہ وہ پیشہ ور سائل اور گداگر جو در در پھر کے لوگوں سے مانگتے ہیں، اصلی مسکین اور صدقہ کے اصلی مستحق نہیں ہیں، بلکہ صدقہ کے لئے ایسے باعفت ضرورت مندوں کو تلاش کرنا چاہئے جو شرم وحیا اور عفتِ نفس کی وجہ سے لوگوں پر اپنی حاجت مندی ظاہر نہیں کرتے اور کسی سے سوال نہیں کرتے ـــــ یہی لوگ اصل مسکین ہیں جن کی خدمت اور مدد نہایت مقبول اور پسندیدہ عمل ہے۔

(۱۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ ـــــ رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی

(**ترجمہ**) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: - زکوٰۃ حلال نہیں ہے غنی (مالدار) کو اور توانا و تندرست کو ـــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن دارمی)

(۱۵) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ قَالَ أَخْبَرَنِيْ رَجُلَانِ أَنَّهُمَا أَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَهُوَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَأَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِيْنَا النَّظَرَ وَخَفَضَهُ فَرَآنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ ــــــــ رواه ابوداؤد والنسائی

(ترجمہ) عبیداللہ بن عدی بن الخیار تابعی نقل کرتے ہیں کہ مجھے دو آدمیوں نے بتایا کہ وہ دونوں حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ اس وقت زکوٰۃ کے اموال تقسیم فرما رہے تھے تو ہم دونوں نے بھی اس میں سے کچھ مانگا، آپ نے نظر اٹھا کر ہمیں اوپر سے نیچے تک دیکھا، تو آپ نے ہم کو تندرست و توانا محسوس کیا، پھر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمھیں دے دوں (مگر یہ سمجھ لو کہ) ان اموال میں مالداروں کا اور ایسے تندرست و توانا لوگوں کا حصّہ نہیں ہے جو اپنی معاش کمانے کے قابل ہوں۔

ــــــــ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں غنی سے مراد غالباً وہ آدمی ہے جس کے پاس اپنے کھانے کپڑے جیسی ضروریات کے لئے کچھ سامان موجود ہو اور اُسے فی الحال ضرورت نہ ہو، ایسے آدمی کو اگر وہ مالکِ نصاب نہیں ہے زکوٰۃ دی جائے، تو اگرچہ ادا ہو جائے گی، لیکن خود اس آدمی کو زکوٰۃ لینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اسی طرح جو آدمی تندرست و توانا ہو اور محنت کر کے روزی کما سکتا ہو اُس کو بھی زکوٰۃ لینے سے بچنا چاہئے ــــ عام ضابطہ یہی ہے، اور ان دونوں حدیثوں میں اسی عام ضابطہ کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ لیکن خاص حالات میں ایسے لوگوں کو بھی زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔ اسی لئے عبیداللہ بن عدی والی دوسری حدیث میں آپؐ نے ان دونوں صاحبوں سے یہ بھی فرمایا کہ: ــــ "اگر تم لینا چاہو تو میں دے دوں گا" (إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا)۔

زکوٰۃ وصدقات اور خاندانِ نبوت :

(۱۶) عَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

رواہ مسلم

(ترجمہ) عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صدقات لوگوں کے مال و دولت کا میل کچیل ہیں، اور وہ محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے لئے حلال نہیں ہیں — (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں زکوٰۃ و صدقات کو میل کچیل اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ جس طرح میل کچیل نکل جانے کے بعد کپڑا ظاہری نظر میں صاف ہو جاتا ہے اسی طرح زکوٰۃ نکلنے کے بعد باقی مال عنداللہ اور باطنی نظر میں پاک ہو جاتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مالِ زکوٰۃ کے استعمال سے پرہیز ہی کیا جائے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے اور قیامت تک کے واسطے اپنے اہلِ خاندان بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ کو ناجائز قرار دے دیا۔

(۱۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيْقِ فَقَالَ لَوْلَا اَنِّيْ اَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَاَكَلْتُهَا

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہے تھے، راستے میں پڑی ہوئی ایک کھجور آپؐ نے دیکھی تو فرمایا کہ

اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ شاید یہ زکوٰۃ کی ہو تو میں اس کو اُٹھا کے کھا لیتا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس موقع پر آپ کا یہ فرمانا دراصل لوگوں کو یہ سبق دینے کے لئے تھا کہ اگر اللہ کا رزق اور اس کی کوئی نعمت (اگرچہ کیسی ہی کم حیثیت اور کم قیمت ہو) کہیں گری پڑی نظر آئے تو اس کا احترام اور اس کی قدر کی جائے اور اس سے وہ کام لیا جائے جس کے لئے اللہ نے وہ بنائی ہے۔ اسی کے ساتھ آپؐ نے یہ بتا کے کہ: "میں اس کو اس لئے نہیں کھا سکتا کہ شاید یہ زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے گر گئی ہو" مشکوک اور مشتبہ چیزوں کے استعمال کرنے سے پرہیز اور احتیاط کا سبق بھی اہلِ تقویٰ کو دے دیا۔

(۱۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِیْ فِیْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كِخْ كِخْ لِیَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّا لَا نَاْكُلُ الصَّدَقَةَ۔

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حسن بن علیؓ نے (اپنے بچپن میں) زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اُٹھا کے اپنے مُنہ میں رکھ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا اور فرمایا:۔ کِخْ کِخْ (اَخ اَخ) تاکہ وہ اس کو مُنہ سے نکال دیں اور تھوک دیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا:۔ بیٹا! کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ ہم لوگ (بنی ہاشم) زکوٰۃ نہیں کھاتے ہیں

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ أَهَدِيَّةٌ أَمْ صَدَقَةٌ ؟ فَإِنْ قِيلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِأَصْحَابِهِ كُلُوا وَلَمْ يَأْكُلْ وَإِنْ قِيلَ هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهِ فَأَكَلَ مَعَهُمْ ——— رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی کھانے کی چیز آپؐ کے پاس لاتا تو آپؐ اس کے بارے میں دریافت فرماتے کہ :- یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ؟ ——— اگر آپؐ کو بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپؐ اپنے اصحابؓ سے (یعنی اُن اصحابؓ سے جن کے لئے صدقہ کھانے میں کوئی مضائقہ نہ ہوتا، جیسے کہ اصحاب صفہؓ) فرمادیتے کہ تم لوگ کھاؤ، اور خود اُس میں سے نہ کھاتے۔ اور اگر آپؐ کو بتایا جاتا کہ یہ کھانا ہدیہ ہے تو آپؐ بھی اُس کی طرف ہاتھ بڑھاتے اور اُن اصحابؓ کے ساتھ اُس کے کھانے میں شرکت فرماتے ——— (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

(تشریح) کسی شخص کو غریب اور ضرورت مند سمجھ کر اعانت و امداد کے طور پر ثواب کی نیت سے جو کچھ دیا جائے وہ شریعت کی اصطلاح میں صدقہ کہلاتا ہے، خواہ وہ فرض و واجب ہو، جیسے زکوٰۃ یا صدقۂ فطر، یا نفلی ہو (جس کو ہماری زبان میں امداد اور خیرات کہا جاتا ہے) ——— اور اگر عقیدت اور تعلق و محبت کی وجہ سے اور اس کے تقاضے سے کسی اپنے محترم اور محبوب کی خدمت میں کچھ پیش کیا جائے تو وہ ہدیہ کہلاتا ہے ——— صدقہ میں دینے والے کی پوزیشن اونچی اور بلند ہوتی ہے اور بیچارے لینے والے کی نیچی اور پست، اِس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قسم کا صدقہ استعمال نہیں فرماتے تھے ——— اور ہدیہ دینے والا اس کے ذریعے احترام و عقیدت اور تعلق و محبت کا اظہار کرتا ہے اور اس کو اپنی ذاتی ضرورت سمجھتا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خوشی سے

قبول فرماتے تھے، پیش کرنے والے کو دُعائیں دیتے تھے، اور بسا اوقات اپنی طرف سے اس کو ہدیہ دے کر اس کی مکافات بھی کرتے تھے[1] ——— اور جب کوئی صدقہ کے طور پر کچھ لاتا تو وہ اپنے اصحابِ مستحقین کو دے دیتے تھے۔

(۲۰) عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا مِنْ بَنِیْ مَخْزُوْمٍ عَلَی الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِاَبِیْ رَافِعٍ اِصْحَبْنِیْ کَیْمَا تُصِیْبَ مِنْهَا فَقَالَ لَا حَتّٰی اٰتِیَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْأَلَهُ فَانْطَلَقَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَاِنَّ مَوَالِیَ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ——— رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مخزوم کے ایک آدمی کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ اس مخزومی نے ابو رافع سے کہا: ——— تم بھی میرے ساتھ چلو، تاکہ تمھیں بھی (حق المحنت کے طور پر) اس میں سے کچھ مل جائے جس طرح مجھے ملے گا؟۔ ابو رافع نے ان سے کہا کہ: ——— جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت نہ کرلوں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اس کے بعد ابو رافع حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے

[1] صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: "کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْبَلُ الْهَدِیَّةَ وَیُثِیْبُ عَلَیْهَا" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے، اور ہدیہ پیش کرنے والوں کو خود بھی ہدیے دیتے تھے)۔ ۱۲

اور آپ سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ :۔ ہمارے گھر اور ہمارے خاندان کے لئے زکوٰۃ میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہے، اور کسی گھرانے کے غلام بھی انہی میں سے ہیں (اس لئے ہماری طرح تمہارے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے) ——— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) اِس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ خاندان کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں ہے، اُسی طرح آپ کے اور آپ کے خاندان والوں کے غلاموں کے لئے بھی حلال نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آزاد ہونے کے بعد بھی وہ زکوٰۃ فنڈ سے کچھ نہیں لے سکتے ——— دوسری بات اِس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ زکوٰۃ کی تحصیل وصول کی اُجرت اور حق المحنت کے طور پر اسی زکوٰۃ میں سے ہر عامل کو دیا جا سکتا ہے (حتیٰ کہ عامل اگر اپنے گھر کا دولت مند ہو اور خود اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، تب بھی اس کو بطورِ اُجرت زکوٰۃ سے دیا جاتا ہے) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں اور اُن کے غلاموں کے لئے اس کی بھی گنجائش نہیں ہے ——— ایک تیسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اسلامی قانون نے غلاموں کو اس زمانہ میں جب دنیا میں ان کی کوئی بھی حیثیت نہیں تھی کتنا بلند درجہ دیا تھا، اور قانونی مالکوں کی خاندانی خصوصیات تک میں ان کو کس حد تک شریک کر دیا تھا۔

کن حالات میں سوال کرنے کی اجازت ہے، اور کن حالات میں ممانعت

حضرات محدثین "کتاب الزکوٰۃ" ہی میں وہ حدیثیں بھی درج کرتے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کن حالات میں سوال کرنے کی ممانعت ہے اور کن حالات میں اجازت ہے

اُن کے اس طریقے کی پیروی میں اِس سلسلۂ "معارف الحدیث" میں بھی وہ حدیثیں یہیں درج کی جاتی ہیں : ———

(۲۱) عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ اِلَّا لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهٖ مَالَهٗ كَانَ خُمُوْشًا فِيْ وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَرَضْفًا يَأْكُلُهٗ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ ——— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حُبشی بن جنادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوال کرنا جائز نہیں ہے غنی آدمی کو اور نہ توانا و تندرست آدمی کو۔ البتہ ایسے آدمی کو جائز ہے جس کو ناداری و افلاس نے زمین پر گرادیا ہو، یا جس پر قرض یا کسی تاوان وغیرہ کا کوئی بھاری بوجھ پڑ گیا ہو، اور جو آدمی (محتاجی کی وجہ سے نہیں بلکہ) اپنے مال میں اضافہ کے لئے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور سوال کرے تو قیامت کے دن اس کا یہ سوال اس کے چہرے پر ایک زخم اور گھاؤ کی شکل میں نمایاں ہوگا، اور جہنم کا گرم جلتا ہوا پتھر ہوگا جس کو وہاں وہ کھائے گا ——— اس کے بعد جس کا جی چاہے سوال کم کرے اور جس کا جی چاہے زیادہ کرے (اور آخرت میں اس کا یہ نتیجہ بھگتے) ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں بھی عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث (نمبر ۱۸) کی طرح غنی سے مراد وہ آدمی ہے جو فی الحال محتاج اور ضرورت مند نہ ہو (اگرچہ وہ صاحب نصاب اور سرمایہ دار بھی نہ ہو) ایسے آدمی کو اور اُس تندرست و توانا آدمی کو جو محنت کر کے اپنی

روزی کما سکتا ہو، اس حدیث میں سوال کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ عام ضابطہ اور مسئلہ یہی ہے کہ ایسے آدمی کو کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں اگر افلاس و ناداری نے کسی کو بالکل ہی گرا دیا ہو اور سوال کے سوا اس کے سامنے کوئی راہ نہ ہو۔ یا کسی کو کوئی جرمانہ یا تاوان یا قرض ادا کرنا ہو اور وہ دوسروں سے امداد لئے بغیر اس کو ادا نہ کر سکتا ہو تو ان صورتوں میں اس کو سوال کرنے کی اجازت ہے —— آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ضرورت مندی اور محتاجی کی مجبوری سے نہیں بلکہ اپنی مالی حالت بہتر بنانے کے لئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا اس کو قیامت میں اس کی سزا یہ دی جائے گی کہ اس کے چہرے پر ایک بدنما گھاؤ ہوگا —— اور جو کچھ اس نے سوال کر کے لوگوں سے لیا تھا وہ وہاں جہنم کا گرم پتھر بنا دیا جائے گا اور وہ اُسے کھانے پر مجبور ہوگا۔

(۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا یَسْأَلُ جَمْرًا فَلْیَسْتَقِلَّ اَوْ لِیَسْتَكْثِرْ۔

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ـ جو کوئی (حاجت سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ) زیادہ مال حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے مانگتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے لئے جہنم کا انگارہ مانگتا ہے (یعنی جو کچھ اس طرح سوال کر کے وہ حاصل کرے گا وہ آخرت میں اس کے لئے دوزخ کا انگارہ بن جائے گا) —— اب خواہ اس میں کمی کرے یا زیادتی کرے —— (صحیح مسلم)

(۲۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهٗ مَا یُغْنِیْهِ جَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَمَسْئَلَتُهٗ فِیْ وَجْهِهٖ خُمُوْشٌ اَوْ

خُدُوشٌ اَوْ كُدُوْحٌ قِيلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا يُغْنِيهِ ؟ قَالَ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا اَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ ــــ

ــــــــ رواہ ابوداؤد، والترمذی، والنسائی وابن ماجۃ والدارمی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایسی حالت میں لوگوں سے سوال کرے کہ اس کے پاس "مَا يُغْنِيهِ" ہو (یعنی اتنا موجود ہو جو اس کے لئے کافی ہو، اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہ رہے) تو وہ قیامت کے دن محشر میں اس حال میں آئے گا کہ اس کا سوال اُس کے چہرے میں ایک گھاؤ کی صورت میں ہوگا (خُمُوشٌ، خُدُوشٌ، کُدُوحٌ یہ تینوں لفظ قریب المعنیٰ ہیں، ان کے معنی زخم کے ہیں۔ غالباً راوی کو شک ہو گیا ہے کہ اصل حدیث میں ان تینوں میں سے کون لفظ تھا ــــــ آگے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُن کر) آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ کتنی مقدار ہے جس کو آپ نے "مَا يُغْنِيهِ" فرمایا ہے (اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہیں رہتا)۔ آپ نے فرمایا کہ:- پچاس درہم یا ان کی قیمت کا سونا ــــــ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم یا اس کے قریب مالیت موجود ہو، جسے وہ اپنی ضروریات میں استعمال کر سکتا ہو اور کسی کاروبار میں لگا سکتا ہو اُس کے لئے سوال کرنا گناہ ہے، اور ایسا شخص قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر اس ناجائز سوال کی وجہ سے بدنما داغ ہوگا۔

اس حدیث میں اس غنا کا معیار جس کے ہوتے ہوئے سوال جائز نہیں، پچاس درہم کی مالیت کو قرار دیا گیا ہے ــــــ ایک دوسری حدیث میں ایک اوقیہ یعنی چالیس

درہم کی مالیت کا بھی ذکر ہے ـــــــ اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے۔ لیکن سنن ابی داؤد کی ایک اور حدیث میں جو سہل بن الحنظلیہ سے مروی ہے مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: "مَا الْغِنَى الَّذِي لَا تَنْبَغِي مَعَهُ الْمَسْأَلَةُ" (غنا کی وہ کیا مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہیے؟) تو آپ نے فرمایا:- "قَدْرُ مَا يُغَدِّيهِ وَيُعَشِّيهِ" (اتنا کہ اس سے دن کا کھانا کھا سکے اور رات کا کھانا کھا سکے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس ایک دن کے کھانے بھر بھی ہے تو اُس کو سوال کرنا درست نہیں۔

وہ غنا جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اُس کا معیار تو متعین ہے اور اس کے متعلق حدیثیں پہلے گزر چکیں، لیکن وہ غنا جس کے حاصل ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں اُس کے معیار مختلف بیان فرمائے ہیں۔ شارحین حدیث نے اس اختلاف کی توجیہ کئی طرح سے کی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک سب سے اقرب بات یہ ہے کہ یہ اختلاف اشخاص اور احوال کے لحاظ سے ہے۔ یعنی بعض حالات اور اشخاص ایسے ہو سکتے ہیں کہ تھوڑا بہت اثاثہ ہونے کی صورت میں بھی ان کے لئے سوال کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر یہ اثاثہ (۴۰، ۵۰) درہم کے قریب ہو تو پھر بالکل گنجائش نہیں ـــــــ اور بعض حالات اور اشخاص ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے پاس اگر ایک دن کے کھانے کے لئے بھی کچھ ہو تو ان کے لئے سوال کی گنجائش نہیں ـــــــ اسی طرح اس اختلاف کو رخصت و عزیمت کے فرق پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، یعنی یہ کہ جن احادیث میں (۴۰، ۵۰) درہم کی مالیت کو معیار بتایا گیا ہے ان میں رخصت اور فتوے کا بیان ہے، اور جن میں ایک دن کے کھانے بھر ہونے کی صورت میں بھی سوال سے منع کیا گیا ہے وہ عزیمت اور تقوے کا مقام ہے۔ واللہ اعلم

سوال میں بہرحال ذلت ہے : ـــــــــــ

(۲۴) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَھُوَ عَلَی الْمِنْبَرِ وَھُوَ یَذْکُرُ الصَّدَقَۃَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلَۃِ اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی وَالْیَدُ الْعُلْیَا ھِیَ الْمُنْفِقَۃُ وَالسُّفْلٰی ھِیَ السَّائِلَۃُ ۔

ـــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا اور مانگنے سے پرہیز کرنے کا ذکر کرتے ہوئے برسر منبر ایک دن فرمایا :۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے ،، اوپر والا ہاتھ دینے والا ہاتھ ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہاتھ ہے ـــــــــــ

ـــــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دینے والے کا مقام اونچا اور عزت کا ہے، اور مانگنے والے کا نیچا اور ذلت کا ۔ اس لئے مومن کو دینے والا بننا چاہئے اور سوال کی ذلت سے اپنے کو حتی الامکان بچانا ہی چاہئے ۔

اگر سوال کرنا ناگزیر ہو تو اللہ کے نیک بندوں سے کیا جائے

(۲۵) عَنْ اِبْنِ الْفَرَاسِیِّ اَنَّ الْفَرَاسِیَّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْأَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ؟ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا وَاِنْ کُنْتَ لَا بُدَّ فَسَلِ الصَّالِحِیْنَ ـــــــــــ رواہ ابوداؤد والنسائی

(ترجمہ) ابن الفراسی تابعی اپنے والد فراسی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ :- میں اپنی ضرورت کے لئے لوگوں سے سوال کر سکتا ہوں؟ - آپ نے فرمایا :- (جہاں تک ہو سکے) سوال نہ کرو، اور اگر تم سوال کے لئے مجبور ہی ہو جاؤ تو اللہ کے نیک بندوں سے سوال کرو۔

———— (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

اپنی حاجت بندوں کے سامنے نہ رکھو، اللہ کے سامنے رکھو:-

(۲۶) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَاَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ وَمَنْ اَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ اَوْشَكَ اللّٰهُ لَهٗ بِالْغِنَا اِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ اَوْ غِنًى اٰجِلٍ ————

———— رواہ ابوداؤد والترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جس آدمی کو کوئی سخت حاجت پیش آئی اور اسے اس نے بندوں کے سامنے رکھا (اور ان سے مدد چاہی) تو اسے اس مصیبت سے مستقل نجات نہیں ملے گی، اور جس آدمی نے اسے اللہ کے سامنے رکھا اور اس سے دعا کی، تو پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کی یہ حاجت ختم کر دے گا، یا تو جلدی موت دے کر (اگر اس کی موت کا مقرر وقت آ گیا ہو) یا کچھ تاخیر سے خوشحالی دے کر ———— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

بندوں سے سوال نہ کرنے پر جنّت کی ضمانت:

(۲۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ يَكْفُلُ لِيْ اَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئاً فَاَتَكَفَّلَ لَهٗ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَكَانَ لَا يَسْأَلُ اَحَدًا شَيْئاً۔

——— رواہ ابوداؤد والنسائی

(ترجمہ) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا: جو مجھ سے اِس بات کا عہد کرے کہ وہ اللہ کے بندوں سے اپنی کوئی حاجت نہ مانگے گا تو میں اُس کے لئے جنت کی ضمانت کرتا ہوں ———

ثوبان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ۔ حضرتؐ! میں یہ عہد کرتا ہوں ——— راوی کا بیان ہے کہ اِس وجہ سے حضرت ثوبان کا یہ دستور تھا کہ وہ کسی آدمی سے کوئی چیز نہیں مانگتے تھے ——— (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

اگر بغیر سوال اور طمعِ نفس کے کچھ ملے تو اس کو لے لینا چاہیئے:۔

(۲۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْنِي الْعَطَاءَ فَاَقُوْلُ اَعْطِهٖ اَفْقَرَ اِلَيْهِ مِنِّيْ فَقَالَ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهٖ فَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَاَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مجھے کچھ عطا فرماتے تھے تو میں عرض کرتا تھا کہ: ۔ حضرتؐ! کسی ایسے آدمی کو دے دیجئے جس کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہو؟ ۔ تو آپؐ فرماتے کہ عمر اس کو لے لو اور اپنی ملکیت بنالو (پھر چاہو تو) صدقہ کے طور پر کسی حاجت مند کو دے دو (اور اپنا یہ اصول بنالو کہ) جب کوئی مال تمہیں اس طرح ملے کہ نہ تم نے اس کے لئے

سوال کیا ہو اور نہ تمہارے دل میں اس کی چاہت اور طمع ہو (تو اس کو اللہ کا عطیہ سمجھ کر) لے لیا کرو، اور جو مال اس طرح تمہارے پاس نہ آئے تو اس کی طرف توجہ بھی نہ کرو۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جب تک محنت سے کما سکتے ہو سوال نہ کرو: ———

(۲۹) عَنِ الزُّبَیْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَّاْخُذَ اَحَدُکُمْ حَبْلَہٗ فَیَاْتِیَ بِحُزْمَۃِ حَطَبٍ عَلٰی ظَھْرِہٖ فَیَبِیْعَھَا فَیَکُفَّ اللّٰہُ بِھَا وَجْھَہٗ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْہُ اَوْ مَنَعُوْہُ ——— رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت زبیر بن العوام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم میں سے کسی (ضرورت مند) آدمی کا یہ رویہ کہ وہ رسی لیکر جنگل جائے اور لکڑیوں کا ایک گٹھا اپنی کمر پر لاد کے لائے اور بیچے، اور اس طرح اللہ کی توفیق سے وہ سوال کی ذلت سے اپنے کو بچالے، اس سے بہت بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلائے پھر خواہ وہ اس کو دیں یا نہ دیں ———

——— (صحیح بخاری)

(۳۰) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْاَلُہٗ فَقَالَ اَمَا فِیْ بَیْتِکَ شَیْءٌ فَقَالَ بَلٰی حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَہٗ وَنَبْسُطُ بَعْضَہٗ وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِیْہِ مِنَ الْمَاءِ قَالَ اِئْتِنِیْ بِھِمَا فَاَتَاہُ بِھِمَا فَاَخَذَھُمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

بِيَدِهٖ وَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْ هٰذَيْنِ؟ قَالَ رَجُلٌ اَنَا
اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ قَالَ مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ
مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ
فَاَعْطَاهُمَا اِيَّاهُ فَاَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا
الْاَنْصَارِيَّ وَقَالَ اِشْتَرِ بِاَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ
اِلٰى اَهْلِكَ وَاشْتَرِ بِالْاٰخَرِ قَدُوْمًا فَأْتِنِيْ بِهٖ
فَاَتَاهُ بِهٖ فَشَدَّ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عُوْدًا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ اِذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا
اُرِيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَذَهَبَ الرَّجُلُ
يَحْتَطِبُ وَيَبِيْعُ فَجَاءَهُ وَقَدْ اَصَابَ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ
فَاشْتَرٰى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا فَقَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ لَّكَ
مِنْ اَنْ تَجِيْئَ الْمَسْئَلَةُ نُكْتَةً فِيْ وَجْهِكَ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لِثَلٰثَةٍ لِذِيْ
فَقْرٍ مُّدْقِعٍ اَوْ لِذِيْ غُرْمٍ مُّفْظِعٍ اَوْ لِذِيْ دَمٍ
مُوْجِعٍ ——— رواه ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک (مفلس اور غریب شخص)
انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (اپنی
حاجت مندی ظاہر کرکے) آپ سے کچھ مانگا۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ کیا تمہارے گھر میں
کوئی چیز بھی نہیں ہے؟۔ انھوں نے عرض کیا۔ بس ایک کمبل ہے جس میں سے کچھ
ہم اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ بچھا لیتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں

(باقی بس اللہ کا نام) ۔ آپ نے فرمایا :۔ یہی دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔ انھوں نے وہ دونوں لاکر آپ کو دے دیں ۔ آپ نے وہ کمبل اور پیالہ ہاتھ میں لیا، اور (نیلام کے طریقے پر) حاضرین سے فرمایا :۔ کون ان دونوں چیزوں کو خریدنے پر تیار ہے ؟۔ ایک صاحب نے عرض کیا :۔ حضرت ! میں ایک درہم میں ان کو لے سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا :۔ کون ایک درہم سے زیادہ لگاتا ہے (یہ بات آپ نے دو دفعہ یا تین دفعہ فرمائی) ۔ ایک دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ :۔ حضرت ! میں دو درہم میں لے سکتا ہوں۔ آپ نے دونوں چیزیں ان صاحب کو دے دیں اور ان سے ۲ دو درہم لے لئے اور اُن انصاری کے حوالے کئے اور اُن سے فرمایا کہ :۔ ان میں سے ایک کا تم کھانے کا کچھ سامان (غلّہ وغیرہ) لے کر اپنے بیوی بچّوں کو دے دو، اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید دو اور اس کو میرے پاس لیکر آؤ ۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور کلہاڑی لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اس کلہاڑی میں لکڑی کا ایک دستہ خوب مضبوط لگا دیا، اور ان سے فرمایا :۔ جاؤ اور جنگل کی لکڑیاں لاکر بیچو، اور اب میں پندرہ دن تک تم کو نہ دیکھوں (یعنی دو ہفتہ تک یہی کام کرو اور میرے پاس آنے کی بھی کوشش نہ کرو) ۔ چنانچہ وہ صاحب چلے گئے اور آپ کی ہدایت کے مطابق جنگل کی لکڑیاں لا لاکر بیچتے رہے ۔ پھر ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اپنی محنت اور لکڑی کے اس کاروبار سے دس۱۰ درہم کما لئے تھے جن میں سے کچھ کا انھوں نے کپڑا خریدا اور کچھ کا غلّہ وغیرہ ۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اپنی محنت سے یہ کمانا تمھارے لئے اس سے بہت ہی بہتر ہے کہ قیامت کے دن لوگوں سے مانگنے کا داغ تمھارے چہرے پر ہو ۔ (پھر آپ نے فرمایا) سوال کرنا صرف تین۳ قسم کے آدمیوں کے لئے درست ہے :۔ ایک۱ وہ آدمی جسے فقر وفاقہ نے زمین سے لگا دیا ہو اور بالکل لاچار کر دیا ہو ۔ دُوسرے۲ وہ جس پر قرض یا کسی ڈنڈ کا بھاری بوجھ ہو (جس کی

ادائیگی اس کے امکان میں تر ہو) میسر ہے وہ جس کو کوئی خون بہا ادا کرنا ہوا ور وہ اسے ادا نہ کرسکتا ہو ـــــــــــ (سنن ابی داؤد)

(**تشریح**) یہ حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ افسوس! جس پیغمبر کی یہ ہدایت اور یہ طرزِ عمل تھا، اُس کی اُمت میں پیشہ ور سائلوں اور گداگروں کا ایک طبقہ موجود ہے، اور کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو عالم یا پیر بن کر معزز قسم کی گداگری کرتے ہیں، یہ لوگ سوال اور گداگری کے علاوہ فریب دہی اور دین فروشی کے بھی مجرم ہیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ مالی صدقات: ـــــــــــ

(۳۱) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ ثُمَّ تَلَا لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ الآيَة ـــــــــــ رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی

(**ترجمہ**) فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (اللہ کا) حق ہے۔" پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ـــــــــــ

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا	اصل نیکی اور بھلائی (کا معیار)
وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ	یہ نہیں ہے کہ (عبادت میں) تم
وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ	مشرق کی طرف اپنا رُخ کرو، یا
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	مغرب کی طرف، بلکہ اصل نیکی کی
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ	راہ بس اُن لوگوں کی ہے جو ایمان
وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ	لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر

عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۔۔۔ الآية

(البقرہ ۔ ع ۔ ۲۲)

اور ملائکہ پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر اور جنھوں نے مال کی محبت کے باوجود اس کو خرچ کیا قرابت داروں پر اور یتیموں مسکینوں پر اور مسافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کو آزادی دلانے میں اور اچھی طرح قائم کی انھوں نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ ۔۔۔ الخ

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) حدیث کا مقصد و منشا یہ ہے کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ مقررہ زکوٰۃ (یعنی فاضل سرمایہ کا چالیسواں حصہ) ادا کر دینے کے بعد آدمی پر اللہ کا کوئی مالی حق اور مطالبہ باقی نہیں رہتا اور وہ اس سلسلہ کی ہر قسم کی ذمہ داریوں سے بالکل سبکدوش ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ خاص حالات میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اللہ کے ضرورت مند بندوں کی مدد کی ذمہ داری دولت مندوں پر باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک صاحبِ ثروت آدمی حساب سے پوری زکوٰۃ ادا کر چکا ہو، اس کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس کے پڑوس میں فاقہ ہے یا اس کا فلاں قریبی رشتہ دار سخت محتاجی کی حالت میں ہے، یا کوئی شریف مصیبت زدہ یا مسافر ایسی حالت میں اُس کے پاس پہونچے جس کو فوری امداد کی ضرورت ہو تو ایسی صورتوں میں ان ضرورتمندوں محتاجوں کی امداد اس پر واجب ہو گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان فرمائی اور بطورِ استشہاد سُورۂ بقرہ کی مُندرجۂ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ اس آیت میں اعمالِ برّ (نیکی کے کاموں) کے ذیل میں ایمان کے بعد یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں وغیرہ حاجت مند طبقوں کی مالی مدد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اقامتِ صلوٰۃ اور ادائِ زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے

معلوم ہوا کہ ان کمزور اور ضرورت مند طبقوں کی مالی مدد کا جو ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے، کیونکہ زکوٰۃ کا مستقلاً ذکر اس آیت میں آگے موجود ہے۔

امیر غریب ہر مسلمان کے لئے صدقہ لازم ہے :۔

(۳۲) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ قَالَ فَيُعِينُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَأْمُرُ بِالْخَيْرِ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ ـــــــــ رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ:۔ اگر کسی آدمی کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ کیا کرے؟۔ آپ نے فرمایا کہ۔ اپنے دست و بازو سے محنت کرے اور کمائے پھر اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا گیا کہ:۔ اگر وہ یہ نہ کر سکتا ہو تو کیا کرے؟۔ آپ نے فرمایا:۔ کسی پریشان حال محتاج کا کوئی کام کر کے اس کی مدد ہی کر دے (یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے)۔ عرض کیا گیا کہ:۔ اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟۔ آپ نے فرمایا:۔ تو اپنی زبان ہی سے لوگوں کو بھلائی اور نیکی کے لئے کہے۔ لوگوں نے عرض کیا:۔ اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ (کم از کم) شر سے اپنے کو روکے (یعنی اس کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی کو تکلیف اور ایذا نہ پہونچے) یہ بھی

اس کے لئے ایک طرح کا صدقہ ہے ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں پر دولت اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ان کو بھی صدقہ کرنا چاہئے۔ اگر روپیہ پیسہ سے ہاتھ بالکل خالی ہو تو محنت مزدوری کر کے اور اپنا پیٹ کاٹ کے صدقہ کی سعادت حاصل کرنی چاہئے۔ اگر اپنے خاص حالات کی وجہ سے کوئی اس سے بھی مجبور ہو تو کسی پریشاں حال کی خدمت ہی کر دے، اور ہاتھ پاؤں سے کسی کا کام نہ کر سکے تو زبان ہی سے خدمت کرے ——— حدیث کی رُوح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب، طاقتور اور توانا ہو یا ضعیف اُس کے لئے لازم ہے کہ دامے، درمے، قدمے، سخنے جس طرح اور جس قسم کی بھی مدد اللہ کے حاجت مند بندوں کی کر سکے ضرور کرے اور اس سے دریغ نہ کرے۔

صدقہ کی ترغیب اور اس کی برکات: ———

(۳۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْفِقْ یَا ابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَیْكَ ——— رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ ہر بندے کو اللہ کا پیغام ہے کہ اے آدم ع کے فرزند! تو (میرے ضرورت مند بندوں پر) اپنی کمائی خرچ کر، میں اپنے خزانہ سے تجھ کو دیتا رہوں گا ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے کہ جو بندہ اس کے ضرورتمند بندوں کی ضرورتوں پر خرچ کرتا رہے گا اس کو اللہ تعالیٰ کے خزانۂ غیب سے ملتا رہے گا ——— اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو یقین کی دولت سے نوازا ہے ہم نے دیکھا کہ ان کا یہی معمول ہے

اور ان کے ساتھ ان کے رب کریم کا یہی معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس یقین کا کوئی حصہ نصیب فرمائے۔

(فائدہ) پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حوالے سے کوئی بات بیان فرمائیں اور وہ قرآن مجید کی آیت نہ ہو، اس حدیث کو "حدیث قدسی" کہا جاتا ہے، یہ حدیث بھی اسی قسم کی ہے ——

(۳۴) عَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْفِقِيْ وَلَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ اِرْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ۔

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ تم اللہ کے بھروسہ پر اس کی راہ میں کشادہ دستی سے خرچ کرتی رہو اور گنو مت (یعنی اس فکر میں نہ پڑو کہ میرے پاس کتنا ہے اور اس میں سے کتنا راہِ خدا میں دوں) اگر تم اس کی راہ میں اس طرح حساب کر کے دوگی تو وہ بھی تمہیں حساب ہی سے دے گا (اور اگر بے حساب دوگی تو وہ بھی اپنی نعمتیں تم پر بے حساب انڈیلے گا) اور دولت جوڑ جوڑ کے اور بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا (کہ رحمت اور برکت کے دروازے تم پر خدانخواستہ بند ہو جائیں گے) لہٰذا تھوڑا بہت جو کچھ ہو سکے اور جس کی توفیق ملے راہِ خدا میں کشادہ دستی سے دیتی رہو —— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۳۵) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْ تَبْذُلَ الْخَيْرَ خَيْرٌ لَّكَ وَاَنْ تُمْسِكَهٗ شَرٌّ لَّكَ وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ وَابْدَءْ

بِمَنْ تَعُوْلُ ——————— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اے آدم کے فرزندو! اللہ کی دی ہوئی دولت جو اپنی ضرورت سے فاضل ہو اُس کا راہِ خدا میں صرف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اور اس کا روکنا تمہارے لئے بُرا ہے، اور ہاں گزارے کے بقدر رکھنے پر کوئی ملامت نہیں۔ اور سب سے پہلے اُن پر خرچ کرو جن کی تم پر ذمہ داری ہے ——————— (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا پیغام یہ ہے کہ آدمی کے لئے بہتر یہ ہے کہ جو دولت وہ کمائے یا کسی ذریعہ سے اس کے پاس آئے اس میں سے اپنی زندگی کی ضرورت کے بقدر تو اپنے پاس رکھے باقی راہِ خدا میں اس کے بندوں پر خرچ کرتا رہے، اور اس میں پہلا حق اُن لوگوں کا ہے جن کا اللہ نے اس کو ذمہ دار بنایا ہے اور جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے مثلاً اس کے اہل وعیال اور حاجت مند قریبی اعزہ وغیرہ۔

جو راہِ خدا میں خرچ کر دیا جائے وہی باقی اور کام آنے والا ہے

(۳۶) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ مَا بَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ مِنْهَا غَيْرُ كَتِفِهَا ——————— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بکری ذبح کی گئی (اور اس کا گوشت للہ تقسیم کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور) آپ نے دریافت فرمایا کہ:۔ بکری میں سے کیا باقی رہا؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ:۔ صرف ایک دست اس کی باقی رہی ہے (باقی سب ختم ہو گیا) آپ نے فرمایا کہ:۔ اس دست کے علاوہ جو للہ تقسیم کر دیا گیا در اصل وہی سب باقی ہے

اور کام آنے والا ہے (یعنی آخرت میں انشاء اللہ اس کا اجر ملے گا) ——

—————— (جامع ترمذی)

انفاق کے بارے میں اصحابِ یقین و توکل کی راہ :——

(۳۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَا یَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَیَالٍ وَعِنْدِیْ مِنْهُ شَیْئٌ اِلَّا شَیْئٌ اَرْصُدُهٗ لِدَیْنٍ۔ —————— رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میرے لئے بڑی خوشی کی بات یہ ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس کو راہِ خدا میں خرچ کر دوں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے سوائے اس کے کہ میں قرض ادا کرنے کے لئے اس میں سے کچھ بچا لوں —————— (صحیح بخاری)

(۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی بِلَالٍ وَعِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا یَا بِلَالُ؟ قَالَ شَیْئٌ اِدَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ فَقَالَ اَمَا تَخْشٰی اَنْ تَرٰی لَهٗ بُخَارًا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَنْفِقْ یَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا۔

—————— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت بلال کی قیام گاہ پر پہنچے اور دیکھا کہ اُن کے پاس

چھواروں کا ایک ڈھیر ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ بلال یہ کیا ہے؟۔ انھوں نے عرض کیا کہ
میں نے اس کو آئندہ کے لئے ذخیرہ بنایا ہے (تاکہ مستقبل میں روزی کی طرف سے ایک
گونہ اطمینان رہے)۔ آپ نے فرمایا:۔ بلال! کیا تمھیں اس کا ڈر نہیں ہے کہ کل قیامت
کے دن آتش دوزخ میں تم اس کی تپش اور سوزش دیکھو۔ اے بلال! جو ہاتھ پاس آئے
اس کو اپنے پر اور دوسروں پر خرچ کرتے رہو اور عرش عظیم کے مالک سے قلت کا
خوف نہ کرو (یعنی یقین رکھو کہ جس طرح اس نے یہ دیا ہے آئندہ بھی اسی طرح عطا
فرماتا رہے گا، اس کے خزانہ میں کیا کمی ہے، اس لئے کل کے لئے ذخیرہ رکھنے کی فکر نہ کرو)۔

——— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے تھے جنھوں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم والی متوکلانہ زندگی کا طریقہ اپنایا تھا اُن کے لئے مستقبل کے واسطے غذا کا
ذخیرہ کرنا بھی مناسب نہ تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ ہدایت فرمائی۔
اگرچہ عام لوگوں کے لئے یہ بات بالکل جائز ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے
بعض صحابہ کو بھی اس سے روکا تھا کہ وہ اپنا سارا مال راہِ خدا میں خرچ کردیں اور گھر والوں
کے لئے کچھ نہ رکھیں ——— لیکن صحابہ میں سے جن حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور اصحاب صفہ والی خالص توکل کی راہ اپنائی تھی اُن کے لئے اس طرزِ عمل کی گنجائش
نہ تھی ——— ع

"جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے"

حدیث کے آخری فقرے میں اشارہ ہے ——— کہ

اللہ کا جو بندہ

خیر کی راہوں میں ہمت کے ساتھ صرف کرے گا ——— وہ

اللہ تعالیٰ کی عطا میں کبھی کمی نہ پائے گا!

جو دولت مند کشادہ دستی سے راہِ خدا میں صرف نہ کریں بڑے خسارے میں ہیں :—

(۳۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ انْتَهَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ جَالِسٌ فِیْ ظِلِّ الْکَعْبَۃِ فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ فَقُلْتُ فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ ھُمْ قَالَ ھُمُ الْاَکْثَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا مَنْ قَالَ ھٰکَذَا وَھٰکَذَا وَھٰکَذَا مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ وَعَنْ یَمِیْنِہٖ وَعَنْ شِمَالِہٖ وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ —— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت کعبہ کے سائے میں اور اس کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا :— رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں؟ میں نے عرض کیا :— میرے ماں باپ آپ پر قربان! کون لوگ ہیں جو بڑے خسارے میں ہیں؟ - آپ نے فرمایا :— وہ لوگ جو بڑے دولت مند اور سرمایہ دار ہیں مگر ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف خیر کے مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف کرتے ہیں — مگر دولت مندوں اور سرمایہ داروں میں ایسے بندے بہت کم ہیں —— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فقر کی زندگی اختیار کر رکھی تھی اور ان کے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے یہی ان کے لئے بہتر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے اطمینانِ خاطر کے لئے بیان فرمایا کہ :- دولت مندی اور سرمایہ داری جو بظاہر بڑی نعمت ہے درا صل کڑی آزمائش بھی ہے اور

صرف وہی بندے اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں جو اس سے دل نہ لگائیں اور پوری کفایت و دستی کے ساتھ دولت کو خیر کے مصارف میں خرچ کریں، جو ایسا نہ کریں گے وہ انجام کار بڑے خسارے میں رہیں گے۔

صدقہ کے خواص اور برکات:—

(۴۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ۔

—————— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:— صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے —————— (جامع ترمذی)

(تشریح) جس طرح دنیا کی مادی چیزوں جڑی بوٹیوں تک کے خواص اور اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے اچھے بُرے اعمال اور اخلاق کے بھی خواص اور اثرات ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اِس حدیث میں صدقہ کی دو خاصیتیں بیان کی گئی ہیں:— ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی بڑی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی طرف متوجہ ہو تو صدقہ اس غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے بندہ بجائے اللہ کے غضب اور ناراضی کے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے۔ اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بُری موت سے آدمی کو بچاتا ہے (یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے) دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح کی موت سے بچاتا ہے جس کو دنیا میں بُری موت سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

(۴۱) عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ بَعْضُ اَصْحَابِ

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ صَدَقَتُہٗ ـــــــــــــ رواہ احمد

(ترجمہ) مرثد بن عبداللہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب کرامؓ نے بیان کیا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُنی ہے کہ قیامت کے دن مومن پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا۔

ـــــــــــــ (مسند احمد)

(تشریح) حدیثوں میں بہت سے اعمالِ صالحہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن یہ اعمال سایہ کا ذریعہ بن جائیں گے۔ اس حدیث میں صدقہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں اس کی ایک برکت یہ ظاہر ہوگی کہ صدقہ کرنے والے کے لئے اس کا صدقہ سائبان بن جائے گا جو اُس دن کی تپش اور تمازت سے اس کو بچائے گا اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین اور اس کے مطابق عمل نصیب فرمائے۔

صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے:ـــ

(۴۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَۃٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰہُ بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ

ـــــــــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ـ صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے) اور قصور معاف کر دینے سے آدمی نیچا نہیں ہوتا بلکہ اللہ اس کو سر بلند کرتا ہے

اور اس کی عزت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جو بندہ اللہ کے لئے فروتنی اور انکساری کا رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو رفعت اور بلندی بخشے گا۔

(صحیح مسلم)

(۴۳) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ اَبُوْذَرٍّ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ الصَّدَقَةَ مَاذَا قَالَ اَضْعَافٌ مُضَاعَفَةٌ وَعِنْدَ اللّٰہِ الْمَزِیْدُ ـــــــ رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ذرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرتؐ! بتائیے کہ صدقہ کیا ہے؟ (یعنی اللہ کی طرف سے اس کا کیا اجر ملنے والا ہے)۔ آپؐ نے فرمایا کہ، چند در چند (یعنی جتنا کوئی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے اس کا کئی گنا اس کو ملے گا) اور اللہ کے ہاں بہت ہے۔

(مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جتنا صدقہ کرے گا اس کو اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ دوسری بعض احادیث میں دس گنے سے سات سو گنے تک کا ذکر ہے اور یہ بھی آخری حد نہیں ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ "وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ" ـــــــ اس کا خزانہ لا انتہا ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ صدقہ کے عوض میں کئی گنا تو اللہ اسی دنیا میں عطا فرماتا ہے، اور اس کا صلہ جو آخرت میں عطا فرمایا جائے گا وہ اس سے بہت زیادہ ہوگا۔

اللہ کے بندوں کا یہ عام تجربہ ہے کہ اللہ پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے وہ اخلاص کے ساتھ جتنا اس کی راہ میں اس کے بندوں پر صرف کرتے ہیں اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ ان کو اسی دنیا ہی میں عطا فرما دیتا ہے، ہاں اخلاص اور یقین شرط ہے۔

ضرورت مندوں کو کھلانے پلانے اور پہنانے کا اجر و ثواب :—

(۴۴) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰی عُرْیٍ کَسَاہُ اللّٰہُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّۃِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰی جُوْعٍ اَطْعَمَہُ اللّٰہُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّۃِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰی مُسْلِمًا عَلٰی ظَمَاٍ سَقَاہُ اللّٰہُ مِنَ الرَّحِیْقِ الْمَخْتُوْمِ۔

——— رواہ ابوداؤد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :——— جس مسلم نے کسی دوسرے مسلم بھائی کو جس کے پاس کپڑا نہیں تھا، پہننے کو کپڑا دیا، اللہ تعالےٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا، اور جس مسلم بھائی نے دوسرے مسلم بھائی کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا۔ اور جس مسلم نے پیاس کی حالت میں دوسرے مسلم بھائی کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی سربہ مہر شراب طہور پلائے گا۔

——— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۴۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا مِنْ مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا اِلَّا کَانَ فِیْ حِفْظِ اللّٰہِ مَا دَامَ عَلَیْہِ مِنْہُ خِرْقَۃٌ۔

——— رواہ احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے :——— جس بندے نے کسی مسلم کو کپڑا پہنایا وہ یقیناً اس وقت تک اللہ کے حفظ و امان میں رہے گا جب تک کہ اس کے جسم پر

اس کپڑے میں سے کچھ بھی اس پر ہے ________ (مسند احمد، جامع ترمذی)

(۴۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ اَوَّلُ مَا قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ ________ رواه الترمذی وابن ماجه

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینۂ طیبہ آئے تو میں (آپ کو دیکھنے سمجھنے کے لئے) آپ کے پاس آیا۔ جب میں نے غور سے آپ کا روئے انور دیکھا، تو پہچان لیا (اور بلا کسی شک وشبہ کے جان لیا) کہ یہ ہرگز کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے پھر آپ نے سب سے پہلی جو بات فرمائی وہ یہ تھی کہ: ________ اے لوگو! آپس میں سلام کی خوب اشاعت کرو اور رواج دو (یعنی ہر ایک دوسرے کو سلام کیا کرے اس سے دل کی گرہیں کھلتی ہیں اور تعلق بڑھتا ہے) اور (اللہ کے بندوں کو خاص کر ان کو جو ضرورت مند ہوں) کھانا کھلاؤ، اور آپس میں صلۂ رحمی کرو (یعنی قرابت کے حقوق ادا کرو) اور رات کو جس وقت لوگ پڑے سوتے ہیں اللہ کے حضور میں نماز پڑھو، ایسا کرو گے تو سلامتی کے ساتھ جنت میں جاؤ گے ________ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

بھوکے پیاسے جانوروں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے: ________

(۴۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِامْرَأَةٍ مُؤْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَأَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ قِيْلَ إِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ قَالَ فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدچلن عورت اس عمل پر بخش دی گئی کہ وہ ایک کنوئیں کے پاس سے گزری اور اس نے دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے ہوئے ہے (اور اس کی حالت ایسی ہے کہ) گویا وہ پیاس سے مر ہی جائے گا (اس عورت کے دل میں ترس آیا وہاں پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کچھ موجود نہیں تھا) اس نے اپنے چمڑے کا موزہ پاؤں سے نکالا اور (کسی طرح اس کو) اپنی اوڑھنی سے باندھا اور (محنت مشقت کرکے) اسی کے ذریعہ کنوئیں سے پانی نکال کے اس کو پلایا، وہ عورت اپنے اسی عمل کی وجہ سے بخش دی گئی ـــــــ کسی نے عرض کیا کہ: ـــــ یا رسول اللہ! کیا جانوروں کے کھلانے پلانے میں بھی ثواب ہے؟ ـــــ آپ نے فرمایا: ـــــ ہاں! ہر حساس جانور (جس کو بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی ہو) اس کو کھلانے پلانے میں اجر و ثواب ہے ـــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۴۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ طَيْرٌ أَوْ بَهِيْمَةٌ إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ۔

ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ـــــ جو مسلمان بندہ کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے تو اس

درخت یا اُس کھیتی سے جو پھل اور جو دانہ کوئی انسان یا کوئی پرندہ یا کوئی چوپایہ کھائے گا وہ اُس بندے کے لئے صدقہ اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا۔

—————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اللہ کے بندوں کو زحمت سے بچانے کا صلہ جنّت: ——————

(۴۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِیْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّیَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ لَا یُؤْذِیْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ —————— رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: —— اللہ کا کوئی بندہ کسی راستے پر چلا جارہا تھا جس پر کسی درخت کی ایک شاخ تھی (جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی) اُس بندے نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس شاخ کو یہاں سے الگ کر کے راستہ صاف کروں گا تاکہ بندگانِ خدا کو تکلیف نہ ہو (پھر اس نے ایسا ہی کیا) تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے جنّت میں بھیج دیا گیا۔

—————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) بعض اعمال بظاہر بہت چھوٹے اور معمولی ہوتے ہیں، لیکن کبھی کبھی وہ دل کی ایسی کیفیت اور ایسے خدا پرستانہ جذبہ کے ساتھ صادر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بڑا قیمتی اور بڑا محبوب ہوتا ہے، اس کی وجہ سے ارحم الرّاحمین کا دریائے رحمت جوش میں آجاتا ہے، پھر اُس بندے کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اور اس کے لئے مغفرت اور داخلۂ جنّت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ والی مندرجۂ بالا حدیث میں ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے پر ایک بدچلن عورت کی مغفرت کی جو خوش خبری دی گئی ہے

اور اس حدیث میں راستہ سے ایک درخت کی صرف شاخ ہٹا دینے پر ایک آدمی کے داخلۂ جنت کی جو بشارت سنائی گئی ہے اُس کا راز یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

کس وقت کے صدقہ کا ثواب زیادہ ہے:

(۵۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللهِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَخْشَی الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰی وَلَا تُمْهِلْ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ کَذَا وَلِفُلَانٍ کَذَا وَقَدْ کَانَ لِفُلَانٍ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ:— زیادہ ثواب کی صورت یہ ہے کہ تم ایسی حالت میں صدقہ کرو جبکہ تمہاری تندرستی قائم ہو اور تمہارے اندر دولت کی چاہت اور اس کو اپنے پاس رکھنے کی حرص ہو، اِس حالت میں (راہِ خدا میں مال خرچ کرنے سے) تمھیں محتاجی کا خطرہ ہو اور دولت مندی کی دل میں آرزو ہو (ایسے وقت میں اللہ کی رضا کے لئے اپنا مال خرچ کرنا سچی خدا پرستی اور خدا طلبی کی دلیل ہے، اور ایسے صدقہ کا ثواب بہت بڑا ہے) اور ایسا نہ ہونا چاہئے کہ تم سوچتے رہو اور ٹالتے رہو، یہاں تک کہ جب موت کا وقت آجائے اور جان کھنچ کے حلق میں آجائے تو تم مال کے بارے میں وصیت کرنے لگو کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو، حالانکہ اب تو مال (تمہاری ملکیت سے نکل کر) فلاں فلاں کا (یعنی وارثوں کا) ہو ہی جائے گا۔

ــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) انسانوں کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب تک وہ تندرست و توانا

ہوتے ہیں اور موت سامنے نہیں کھڑی ہوتی، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں،
شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر ہم نے راہِ خدا میں خرچ کیا تو ہمارے پاس کمی
ہو جائے گی، ہم خود تنگدست اور محتاج ہو جائیں گے اس لئے ان کا ہاتھ نہیں کھلتا لیکن جب
موت سامنے آجاتی ہے اور زندگی کی امید باقی نہیں رہتی، تو انھیں صدقہ یاد آتا ہے۔
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ یہ طرزِ عمل ٹھیک نہیں ہے، اللہ کی نگاہ میں محبوب
اور مقبول صدقہ وہ ہے جو بندہ تندرستی و توانائی کی ایسی حالت میں کرے کہ اس کے سامنے اپنے
مسائل اور اپنا مستقبل بھی ہو، اس کے باوجود وہ اللہ کی رضاجوئی کے لئے اور آخرت کے
ثواب کی امید میں، اور ربّ کریم کے وعدوں پر یقین و اعتماد کرتے ہوئے اسی حالت میں ہاتھ
کھول کے اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پہ خرچ کرے ـــــــ ایسے بندوں کے لئے
قرآن مجید میں فلاح کا وعدہ ہے :۔ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔

اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے :ـــــ

اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کم وبیش خرچ تو سب ہی
کرتے ہیں لیکن اس خرچ کرنے سے لوگوں کو وہ روحانی خوشی حاصل نہیں ہوتی جو اللہ کے نیک
بندوں کو دوسرے ضرورت مندوں اور مساکین وفقراء پر صدقہ کرنے سے ہوتی ہے ، کیونکہ
اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کو لوگ کارِ ثواب نہیں سمجھتے. بلکہ اس کو مجبوری کا ایک تاوان، یا
نفس کا ایک تقاضا سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اپنے اہل وعیال اور
اعزّہ واقارب پر بھی لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے خرچ کرنا چاہئے، اس صورت میں جو خرچ
اس مد میں ہوگا وہ سب صدقہ کی طرح آخرت کے بینک میں جمع ہوگا، بلکہ دوسرے لوگوں پر صدقہ
کرنے سے زیادہ اس کا ثواب ہوگا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم سے ہمارے لئے
خیر وسعادت کا ایک بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب ہم جو کچھ اپنے بیوی بچوں کے کھانے

کپڑے پر حتّٰی کہ ان کے جوتوں پر جائز حدود میں خرچ کریں، وہ ایک طرح کا "صدقہ" اور کارِ ثواب ہوگا
بس شرط یہ ہے کہ ہم اس ذہن سے اور اس نیت سے خرچ کریں۔

(۵۱) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَۃً عَلٰی اَھْلِہٖ وَھُوَ یَحْتَسِبُھَا کَانَتْ لَہٗ صَدَقَۃٌ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب کوئی صاحبِ ایمان بندہ اپنے اہل وعیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے، تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا (اور وہ عند اللہ ثواب کا مستحق ہوگا)۔

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۵۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الصَّدَقَۃِ اَفْضَلُ؟ قَالَ جُھْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔

——— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ:۔ یا رسول اللہ! کون صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ وہ صدقہ افضل ترین صدقہ ہے جو غریب آدمی اپنی محنت کی کمائی سے کرے، اور پہلے ان پر خرچ کرو جن کے تم ذمہ دار ہو (یعنی اپنے بیوی بچوں پر)۔

——— (سنن ابی داؤد)

(۵۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدِیْ دِیْنَارٌ قَالَ اَنْفِقْہُ عَلٰی نَفْسِکَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْہُ عَلٰی وَلَدِکَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْہُ عَلٰی اَھْلِکَ قَالَ عِنْدِیْ

اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی خَادِمِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْتَ اَعْلَمُ ــــــــــ رواہ ابوداؤد والنسائی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ:- میرے پاس ایک دینار ہے (بتائیے کہ میں وہ کہاں خرچ کروں اور کس کو دے دوں؟) ــــــ آپ نے فرمایا: "(سب سے مقدم یہ ہے) کہ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرو"۔ اُس نے کہا کہ:- اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ آپ نے فرمایا: "تو اس کو اپنی اولاد کی ضروریات پر خرچ کرو" ــــــ اس نے کہا کہ:- اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ آپ نے فرمایا: "تو اس کو اپنی بیوی کی ضروریات پر خرچ کرو"۔ اس نے کہا کہ:- اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ: ــ "پھر اس کو اپنے غلام اور خادم پر صرف کردو"۔ اس نے کہا کہ:- اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ: "تم زیادہ واقف ہو (کہ تمھارے اہلِ قرابت میں کون زیادہ ضرورت مند اور مستحق ہے) ــــــــــ (سنن ابی داؤد وسنن نسائی)

(تشریح) غالباً ان صاحب کے ظاہری حال سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ اندازہ کیا تھا کہ یہ خود ضرورت مند اور تنگ حال ہیں اور ان کے پاس بس ایک دینار ہے اور یہ اس کو ثوابِ آخرت اور اللہ کی رضا کے لئے کہیں خرچ کرنا چاہتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ مومن بندہ جو کچھ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرے یا اپنے بیوی بچوں اور غلاموں پر (جن کی اس پر ذمہ داری ہے) خرچ کرے وہ سب بھی صدقہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کا وسیلہ ہے، اس لئے آپ نے ان کو بالترتیب یہ مشورہ دیا ــــــــ عام اصول اور حکم یہی ہے کہ آدمی پہلے اُن حقوق اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرے جن کا وہ ذاتی اور شخصی طور پر ذمہ دار ہے اس کے بعد آگے بڑھے ــــــ ہاں وہ خاصانِ خدا جن کو توکّل و اعتماد علی اللہ کا بلند مقام حاصل ہو اور ان کے اہل و عیال کو بھی اس دولت میں سے حصّہ ملا ہو اُن کے لئے یہ صحیح ہے کہ خود فاقہ سے رہیں، پیٹوں پہ پتھر باندھیں اور گھر میں

جو کھانا ہو وہ دوسرے اہلِ حاجت کو کھلا دیں ——— خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خواص صحابہ کا حال اور طرزِ عمل یہی تھا ——— يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔ (سورۃ الحشر)۔

اہلِ قرابت پر صدقہ کی خاص فضیلت : ———

(۵۴) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ ۔

——— رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کسی اجنبی مسکین کو اللہ کے لئے کچھ دینا صرف صدقہ ہے اور اپنے کسی عزیز قریب (ضرورت مند) کو اللہ کے لئے کچھ دینے میں دو پہلو ہیں اور دو طرح کا ثواب ہے ، ایک یہ کہ وہ صدقہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ صلہ رحمی ہے (یعنی حق قرابت کی ادائیگی ہے) جو بجائے خود بڑی نیکی ہے ——— ---

——— (مسند احمد ، جامع ترمذی ، سنن نسائی ، سنن ابن ماجہ ، سنن دارمی)

(۵۵) عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقْنَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ قَالَتْ فَرَجَعْتُ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ فَقُلْتُ اِنَّكَ رَجُلٌ خَفِيْفُ ذَاتِ الْيَدِ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَأْتِهِ فَاسْئَلْهُ فَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ يُجْزِئُ عَنِّيْ وَاِلَّا صَرَفْتُهَا اِلٰى غَيْرِكُمْ قَالَتْ

فَقَالَ لِي عَبْدُ اللهِ بَلْ اِئْتِيهِ أَنْتِ قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ فَإِذَا
اِمْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِبَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ حَاجَتِي حَاجَتُهَا قَالَتْ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُلْقِيَتْ عَلَيْهِ الْمَهَابَةُ فَقَالَتْ فَخَرَجَ
عَلَيْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا لَهُ اِئْتِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَأَخْبِرْهُ أَنَّ اِمْرَأَتَيْنِ بِالْبَابِ تَسْأَلَانِكَ أَتُجْزِئُ
الصَّدَقَةُ عَنْهُمَا عَلَى أَزْوَاجِهِمَا وَعَلَى أَيْتَامٍ فِي
حُجُورِهِمَا وَلَا تُخْبِرْهُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ فَدَخَلَ بِلَالٌ
عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ
رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هُمَا قَالَ اِمْرَأَةٌ
مِنَ الْأَنْصَارِ وَزَيْنَبُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَيُّ الزَّيَانِبِ قَالَ اِمْرَأَةُ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ لَهُمَا أَجْرَانِ أَجْرُ الْقَرَابَةِ
وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ ــــــــــــ رواه البخاري ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک خطبہ میں خاص طور سے عورتوں کو مخاطب کر کے)
فرمایا کہ :۔ اے خواتین! تم کو چاہئے کہ راہ خدا میں صدقہ کیا کرو، اگرچہ تم کو اپنے زیورات
میں سے دینا پڑے (آگے زینب بیان کرتی ہیں کہ) میں نے جب حضورؐ کا یہ ارشاد سنا تو
میں اپنے شوہر عبداللہ بن مسعود کے پاس آئی اور میں نے ان سے کہا کہ :۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم عورتوں کو خاص طور سے صدقہ کی تاکید فرمائی ہے (اور میں
چاہتی ہوں کہ میرے پاس جو کچھ ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرنے کی سعادت

حاصل کروں) اور تم بھی تنگ حال اور خالی ہاتھ ہو، اب تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کرو (کہ) اگر میں تم کو ہی دے دوں تو کیا میرا صدقہ ادا ہو جائے گا) اگر میرا تم کو دینا صحیح ہو تو میں تم ہی کو دے دوں گی، ورنہ دوسرے ضرورت مندوں پر خرچ کر دوں گی ——— کہتی ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود نے مجھ سے کہا کہ۔ تم خود ہی جا کر حضورؐ سے دریافت کرو۔ تو میں خود گئی، وہاں پہونچی تو دیکھا کہ انصار میں سے ایک عورت آپ کے دروازے پر کھڑی ہے اور اس کی غرض بھی وہی ہے جو میری غرض ہے (یعنی وہ بھی یہی مسئلہ معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئی تھی)۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ہیبت دی تھی (جس کی وجہ سے ہر ایک کو آپ سے دو بدو بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اس لئے ہمیں خود آپ کے قریب پہونچ کر پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی) اتنے میں (آپ کے خاص خادم اور مؤذن) بلال باہر نکلے۔ ہم دونوں نے اُن سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیجئے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہیں کہ اگر وہ اپنے ضرورت مند شوہروں اور اُن یتیموں پر جو خود ان کی گود میں پرورش پا رہے ہیں صدقہ کریں تو کیا یہ صدقہ ادا ہو جائے گا (اور ہم کو اس صدقہ کا ثواب ملے گا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ بتانا کہ ہم کون دو عورتیں ہیں؟ ——— بلال آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں عورتوں کا سوال آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ:۔ وہ کون عورتیں ہیں؟۔ بلال نے عرض کیا کہ:۔ ایک عورت تو انصار میں سے ہے اور دوسری زینب ہے۔ آپؐ نے پوچھا:۔ کون سی زینب؟۔ بلال نے عرض کیا: عبد اللہ بن مسعود کی بیوی زینب! آپؐ نے فرمایا:۔ ہاں (اُن) کا صدقہ ادا ہو جائے گا، بلکہ اس صورت میں) ان کو دوہرا ثواب ملے گا، ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا ثواب۔

(صحیح بخاری و مسلم)

(۵۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ اَبُوْطَلْحَةَ اَکْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِیْنَةِ مَالًا مِنْ نَخْلٍ وَکَانَ اَحَبَّ اَمْوَالِهٖ اِلَیْهِ بَیْرُحَاءَ وَکَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُهَا وَیَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِیْهَا طَیِّبٍ قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۰ قَامَ اَبُوْطَلْحَةَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۰ وَاِنَّ اَحَبَّ مَالِیْ اِلَیَّ بَیْرُحَاءُ وَاِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰی اَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَضَعْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَیْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَخٍ ذَالِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَاِنِّیْ اَرٰی اَنْ تَجْعَلَهَا فِی الْاَقْرَبِیْنَ فَقَالَ اَبُوْطَلْحَةَ اَفْعَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا اَبُوْطَلْحَةَ فِیْ اَقَارِبِهٖ وَبَنِیْ عَمِّهٖ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کھجور کے باغات کے لحاظ سے مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ دولت مند حضرت ابوطلحہ انصاری تھے اور انھیں اپنے باغات اور جائدادوں میں سب سے زیادہ محبوب بَیرُحَاء تھا (یہ ان کے ایک قیمتی باغ کا نام تھا) اور یہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کا نفیس پانی (شوق سے) نوش فرماتے تھے ——— انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ———

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ہ (نیکی اور مقبولیت کا مقام تم کو اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی محبوب چیزوں کو تم راہ خدا میں خرچ نہ کرو) تو حضرت ابو طلحہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ہ اور مجھے اپنی ساری مالیات میں سب سے زیادہ محبوب بَیْرُحَاءَ ہے، اس لئے اب وہی میری طرف سے اللہ کے لئے صدقہ ہے ۔ مجھے اُمید ہے کہ آخرت میں مجھے اس کا ثواب ملے گا، اور وہ میرے لئے ذخیرہ ہوگا ۔ لہٰذا آپ اس کے بارے میں وہ فیصلہ فرمادیں جو اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن میں ڈالے (یعنی جو مصرف اس کا مناسب سمجھیں معین فرمادیں) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ واہ واہ ! یہ تو بڑی نفع مند اور کار آمد جائداد ہے، میں نے تمہاری بات سُن لی (اور تمہارا منشا سمجھ لیا) میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے ضرورت مند قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردو ۔ حضرت ابو طلحہ نے عرض کیا :۔ یا رسول اللہ ! میں یہی کروں گا ۔ چنانچہ انھوں نے وہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا ۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) بعض روایات میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ نے اپنا یہ باغ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اپنے خاص اقارب اُبَیّ بن کعبؓ، حسّانؓ بن ثابت، شدّادؓ بن اوس اور نبیطؓ بن جابر پر تقسیم کردیا تھا ۔۔۔۔۔ یہ باغ کس قدر قیمتی تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بعد میں حضرت معاویہؓ نے صرف حضرت حسان بن ثابتؓ کا حصہ ایک لاکھ درہم میں خریدا تھا ۔

(فائدہ) چونکہ آدمی کا زیادہ واسطہ اپنے عزیزوں قریبوں ہی سے رہتا ہے، اور

زیادہ تر معاملات انھیں سے پڑتے ہیں، اس لئے اختلافات اور تنازعات بھی زیادہ تر اقارب ہی میں ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس دنیا کی زندگی بھی عذاب بن جاتی ہے اور آخرت بھی برباد ہوتی ہے۔ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم و ہدایت پر عمل کیا جائے اور لوگ اپنے قرابت داروں پر اپنی کمائی خرچ کرنا اللہ کی رضا کا وسیلہ سمجھیں تو دنیا اور آخرت کے بڑے عذاب سے محفوظ رہیں۔ کاش دنیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کی قدر سمجھے، اور اس سے فائدہ اٹھائے۔

مرنے والوں کی طرف سے صدقہ :—————

صدقہ کیا ہے؟ اللہ کے بندوں کے ساتھ اس نیت سے اور اس اُمید پر احسان کرنا کہ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت اور مہربانی نصیب ہوگی۔ اور بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا کرم و احسان حاصل کرنے کا خاص الخاص وسیلہ ہے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ جس طرح ایک آدمی اپنی طرف سے صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ثواب و صلہ کی اُمید کر سکتا ہے اُسی طرح اگر کسی مرنے والے کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب و صلہ اُس مرنے والے کو عطا فرمائے گا ——— پس مرنے والوں کی خدمت اور اُن کے ساتھ ہمدردی و احسان کا ایک طریقہ اُن کے لئے دعا و استغفار کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے، یا اسی طرح ان کی طرف سے دوسرے اعمالِ خیر کر کے ان کو ثواب پہونچایا جائے ———

اِس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجۂ ذیل حدیثیں پڑھیے! :———

(۵۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ

تَصَدَّقْتُ عَنْهَا ؟ قَالَ نَعَمْ ———— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ :- میری والدہ کا بالکل اچانک اور دفعۃً انتقال ہوگیا اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ موت واقع ہونے سے پہلے کچھ بول سکتیں تو وہ ضرور کچھ صدقہ کرتیں، تو اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب اُن کو پہونچ جائے گا؟ - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- ہاں! پہونچ جائے گا ———— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۵۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تُوُفِّيَتْ اُمُّهٗ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّیْ تُوُفِّيَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا اَيَنْفَعُهَا شَيْئٌ اَنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّیْ اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِیَ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا ———— رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادۃ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے، جب ان کی واپسی ہوئی) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انھوں نے عرض کیا کہ :- یا رسول اللہ! میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہوگیا، تو اگر میں اُن کی طرف سے صدقہ کروں، تو کیا وہ اُن کے لئے نفع مند ہوگا (اور اُن کو اس کا ثواب پہونچے گا)؟ - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- ہاں! پہونچے گا - انھوں نے عرض کیا :- تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا باغ مخراف اپنی مرحومہ والدہ کے لئے صدقہ کر دیا -

———— (صحیح بخاری)

(۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَبِیْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَّلَمْ یُوْصِ فَهَلْ یُکَفِّرُ عَنْهُ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهُ؟ قَالَ نَعَمْ ـــــ

ـــــ رواہ ابن جریر فی تہذیب الآثار

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:- حضرت! میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور انھوں نے ترکہ میں کچھ مال چھوڑا ہے اور (صدقہ وغیرہ کی) کوئی وصیت نہیں کی ہے، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا میرا یہ صدقہ اُن کے لئے کفارۂ سیئات اور مغفرت و نجات کا ذریعہ بن جائے گا؟- آپ نے فرمایا:- ہاں! (اللہ تعالیٰ سے اسی کی اُمید ہے) ـــــ (تہذیب الآثار لابن جریر)

(۶۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ نَذَرَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ اَنْ یَّنْحَرَ مِائَةَ بَدَنَةٍ وَّاَنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ نَحَرَ حِصَّتَهٗ خَمْسِیْنَ، وَاَنَّ عَمْرًوا سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ اَمَّا اَبُوْكَ لَوْ اَقَرَّ بِالتَّوْحِیْدِ فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ نَفَعَهٗ ذَالِكَ ـــــ رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے زمانۂ جاہلیت میں سَو اونٹ قربانی کرنے کی نذر مانی تھی (جس کو وہ پورا نہیں کر سکے تھے) تو اُن کے ایک بیٹے ہشام بن العاص نے تو پچاس اونٹوں کی قربانی (اپنے باپ کی اُس نذر کے حساب میں) کر دی، اور دوسرے بیٹے عمرو بن العاص نے (جن کو اللہ نے اسلام کی توفیق دے دی تھی) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے

اِس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ:۔ اگر تمہارے باپ اِیمان لے آئے ہوتے اور پھر تم ان کی طرف سے روزے رکھتے یا صدقہ کرتے، تو وہ ان کے لئے نفع مند ہوتا (اور اس کا ثواب ان کو پہونچتا، لیکن کفر و شرک کی حالت میں مرنے کی وجہ سے اب تمہارا کوئی عمل ان کے کام نہیں آسکتا)۔

(مسند احمد)

(تشریح) رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان حدیثوں میں (اور ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثوں میں جو کتب حدیث کے مختلف ابواب میں مروی ہیں) یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ صدقہ وغیرہ جو قابلِ قبول نیک عمل کسی مرنے والے کی طرف سے کیا جائے یعنی اس کا ثواب اس کو پہونچایا جائے وہ اس کے لئے نفع مند ہوگا اور اس کو اس کا ثواب پہونچے گا ـــــ گویا جس طرح اِس دنیا میں ایک آدمی اپنا کمایا ہوا پیسہ اللہ کے کسی دوسرے بندے کو دے کر اس کی خدمت اور مدد کر سکتا ہے اور وہ بندہ اُس سے نفع اُٹھا سکتا ہے اُسی طرح اگر کوئی صاحب ایمان اپنے مرحوم ماں باپ یا کسی دوسرے مومن بندہ کی طرف سے صدقہ کر کے اس کو آخرت میں نفع پہونچانا اور اس کی خدمت کرنا چاہے تو مندرجۂ بالا حدیثوں نے بتایا کہ ایسا ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سُبحانَ اللہِ وَبحَمدِہٖ، کتنا عظیم فضل و احسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس راستے سے ہم اپنے ماں باپ اور دوسرے عزیزوں قریبوں اور دوستوں محسنوں کی خدمت ان کے مرنے کے بعد بھی کر سکتے ہیں، اور اپنے ہدیے اور تحفے ان کو برابر بھیج سکتے ہیں۔

یہ مسئلہ احادیثِ نبویہ سے بھی ثابت ہے اور اس پر اُمت کے ائمہ حق کا اجماع بھی ہے۔ ہمارے زمانہ کے بعض ان لوگوں نے جو حدیث و سنت کو کتاب اللہ کے بعد دین و شریعت کی ثانوی اساس بھی نہیں مانتے، اور اس کے حجتِ دینی ہونے کے قطعی منکر ہیں، اس مسئلہ

انکار کیا ہے ـــــــ اس عاجز نے اب سے قریباً ۲۰ سال پہلے ایک مستقل مبسوط رسالہ
اس موضوع پر لکھا تھا، اس میں اس مسئلہ کے ہر پہلو پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور منکرین کے
ہر شبہ کا جواب ہو گیا ہے۔ الحمد للہ وہ اس موضوع پر کافی شافی ہے ـــــــ
کتابُ الزکوٰۃ کو ہم اسی پر ختم کر کے کتابُ الصَّوم شروع کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَان

كتابُ الصَّوم

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۔

(البقرہ آیت ۱۸۰)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے، جس طرح تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید و رسالت کی شہادت کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج، اسلام کے عناصرِ اربعہ ہیں۔

وہ حدیثیں اسی سلسلۂ "معارف الحدیث" کے بالکل شروع میں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان پانچوں چیزوں کو اسلام کے ارکان اور بنیادی ستون بتایا ہے۔ ان کے ارکان اور عناصر ہونے کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہی یہ ہے کہ اِسلام اللہ کی فرمانبرداری والے جس طرزِ حیات کا نام ہے اس کی تخلیق و تعمیر اور نشو و نما میں ان پانچوں کو خاص الخاص دخل ہے ——— اس لحاظ سے نماز اور زکوٰۃ کی جو تاثیری خصوصیات ہیں وہ اپنے موقع پر ذکر کی جا چکی ہیں ——— روزے کی اِس تاثیر و خصوصیت کا ذکر خود قرآن مجید میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے — سورۂ بقرہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان فرمانے کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا گیا ہے: "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" یعنی اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو روحانیت اور حیوانیت کا یا دوسرے الفاظ میں کہئے کہ ملکوتیت اور بہیمیت کا نسخۂ جامعہ بنایا ہے اس کی طبیعت اور جبلت میں وہ سارے مادی اور سفلی تقاضے بھی ہیں جو دوسرے حیوانوں میں ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ اس کی فطرت میں روحانیت اور ملکوتیت کا وہ نورانی جوہر بھی ہے جو ملاءِ اعلیٰ کی لطیف مخلوق فرشتوں کی

خاص دولت ہے۔ انسان کی سعادت کا دارومدار اس پر ہے کہ اس کا یہ روحانی اور ملکوتی عنصر بہیمی اور جسمانی عنصر پر غالب اور حاوی رہے اور اس کو حدود کا پابند رکھے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ بہیمی پہلو روحانی اور ملکوتی پہلو کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کا عادی ہو جائے اور اس کے مقابلے میں سرکشی نہ کر سکے ——— روزہ کی ریاضت کا خاص مقصد و موضوع یہی ہے کہ اس کے ذریعے انسان کی حیوانیت اور بہیمیت کو اللہ کے احکام کی پابندی اور ایمانی و رُوحانی تقاضوں کی تابعداری و فرمانبرداری کا خوگر بنایا جائے۔ اور چونکہ یہ چیز نبوت اور شریعت کے خاص مقاصد میں سے ہے اس لئے پہلی تمام شریعتوں میں بھی روزہ کا حکم رہا ہے۔ قرآن مجید میں اس امت کو روزے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ———

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(البقرۃ۔ ع ۲۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلی اُمتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے (روزوں کا یہ حکم تم کو اس لئے دیا گیا ہے) تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

بہرحال روزہ چونکہ انسان کی قوتِ بہیمی کو اس کی ملکوتی اور روحانی قوت کے تابع رکھنے اور اللہ کے احکام کے مقابلہ میں نفس کی خواہشات اور پیٹ اور شہوت کے تقاضوں کو دبانے کی عادت ڈالنے کا خاص ذریعہ اور وسیلہ ہے، اس لئے اگلی امتوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا تھا۔ اگرچہ روزوں کی مدت اور بعض دوسرے تفصیلی احکام میں ان امتوں کے خاص حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کچھ فرق بھی تھا ——— اس آخری اُمت کے لئے جس کا دَور دنیا کے آخری دن تک ہے سال میں ایک مہینے کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور روزے کا وقت طلوعِ سحر سے غروبِ آفتاب تک رکھا گیا ہے، اور بلاشبہ یہ مدت اور یہ وقت

مذکورہ بالا مقصد کے لئے اس دور کے واسطے مناسب ترین اور نہایت معتدل مدت اور وقت ہے، اس سے کم میں ریاضت اور نفس کی تربیت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور اگر اس سے زیادہ رکھا جاتا مثلاً روزے میں دن کے ساتھ رات بھی شامل کر دی جاتی، اور بس سحر کے وقت کھانے پینے کی اجازت ہوتی، یا سال میں دو چار مہینے مسلسل روزے رکھنے کا حکم ہوتا، تو انسانوں کی اکثریت کے لئے ناقابلِ برداشت اور صحتوں کے لئے مضر ہوتا ——— بہرحال طلوعِ سحر سے غروبِ آفتاب تک کا وقت اور سال میں ایک مہینے کی مدت اِس دور کے عام انسانوں کے حالات کے لحاظ سے ریاضت و تربیت کے مقصد کے لئے بالکل مناسب اور معتدل ہے۔

پھر اس کے لئے مہینہ وہ مقرر کیا گیا ہے جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا، اور جس میں بے حساب برکتوں اور رحمتوں والی رات (لیلۃ القدر) ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی مبارک مہینہ اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہو سکتا تھا ——— پھر اس مہینے میں دن کے روزوں کے علاوہ رات میں بھی ایک خاص عبادت کا عمومی اور اجتماعی نظام قائم کیا گیا ہے جو تراویح کی شکل میں امت میں رائج ہے ——— دن کے روزوں کیساتھ رات کی تراویح کی برکات مل جانے سے اس مبارک مہینے کی نورانیت اور تاثیر میں وہ اضافہ ہو جاتا ہے جس کو اپنے ادراک و احساس کے مطابق ہر وہ بندہ محسوس کرتا ہے جو اِن باتوں سے کچھ بھی تعلق اور مناسبت رکھتا ہے۔

ان مختصر تمہیدی اشارات کے بعد رمضان اور روزہ وغیرہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ذیل میں پڑھئے :-

ماہِ رمضان کے فضائل و برکات :———

(۶۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَفِيْ رِوَايَةٍ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں ——— (اور ایک روایت میں بجائے "ابواب جنت" کے "ابواب رحمت" کا لفظ ہے) ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اِس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ——— اللہ کے صالح اور اطاعت شعار بندے رمضان میں چونکہ طاعات وحسنات میں مشغول ومنہمک ہوجاتے ہیں، وہ دنوں کو روزہ رکھ کے ذکر وتلاوت میں گزارتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح وتہجد اور دعا واستغفار میں بسر کرتے ہیں اور اُن کے انوار وبرکات سے متأثر ہوکر عوام مومنین کے قلوب بھی رمضان مبارک میں عبادات اور نیکیوں کی طرف زیادہ راغب اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہوجاتے ہیں، تو اسلام اور ایمان کے حلقے میں سعادت اور تقوے کے اس عمومی رجحان اور نیکی اور عبادت کی اِس عام فضا کے پیدا ہوجانے کی وجہ سے وہ تمام طبائع جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے اللہ کی مرضیات کی جانب مائل اور شرونجاست سے متنفر ہوجاتی ہیں، اور پھر اس ماہ مبارک میں تھوڑے سے عمل خیر کی قیمت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسرے دنوں کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑھادی جاتی ہے، توان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے ان پر بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین ان کو گمراہ کرنے سے عاجز اور بے بس ہوجاتے ہیں۔

اس تشریح کے مطابق ان تینوں باتوں (یعنی جنّت[1] و رحمت کے دروازے کھل جانے، دوزخ[2] کے دروازے بند ہو جانے اور شیاطین[3] کے مقید اور بے بس کر دیئے جانے) کا تعلق صرف اُن اہلِ ایمان سے ہے جو رمضانِ مبارک میں خیر و سعادت حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے اور رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفید ہونے کے لئے عبادات و طاعات کو اپنا شغل بناتے ہیں ـــــــ باقی رہے وہ کفار اور خدا ناشناس اور وہ خدا فراموش اور غفلت شعار لوگ، جو رمضان اور اس کے احکام و برکات سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتے اور نہ اس کے آنے پر ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا اُن سے کوئی تعلق نہیں، انھوں نے جب اپنے آپ کو خود ہی محروم کر لیا ہے اور بارہ مہینے شیطان کی پیروی پر وہ مطمئن ہیں تو پھر اللہ کے یہاں بھی اُن کے لئے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۶۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ اَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَيُنَادِیْ مُنَادٍ يَا بَاغِیَ الْخَيْرِ اَقْبِلْ وَيَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذَالِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ ـــــــ

ـــــــ رواہ الترمذی و ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھلا نہیں رہتا۔ اور جنّت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اس کا کوئی دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا، اور اللہ کا منادی پکارتا ہے کہ

اے خیر اور نیکی کے طالب قدم بڑھا کے آ، اور اے بدی اور بدکرداری کے شائق رُک، آگے نہ آ! اور اللہ کی طرف سے بہت سے (گنہگار) بندوں کو دوزخ سے رہائی دیجاتی ہے (یعنی ان کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے) اور یہ سب رمضان کی ہر رات میں ہوتا رہتا ہے ——— (جامع ترمذی، سنن ابن ماجة)

(تشریح) اس حدیث کے ابتدائی حصّے کا مضمون تو وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث کا تھا، آخر میں عالمِ غیب کے منادی کی جس ندا کا ذکر ہے اگرچہ ہم اس کو اپنے کانوں سے نہیں سنتے اور نہیں سُن سکتے لیکن اس کا یہ اثر اور یہ ظہور ہم اس دنیا میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ رمضان میں عموماً اہلِ ایمان کا رجحان اور میلان خیر و سعادت والے اعمال کی طرف بڑھ جاتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے غیر محتاط اور آزاد منش عامی مسلمان بھی رمضان میں اپنی روش کو کچھ بدل لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ ملاءِ اعلیٰ کی اُس ندا اور پکار ہی کا ظہور اور اثر ہے۔

(۶۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِىْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرَئِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِىْ رَمَضَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهٗ جِبْرَئِيْلُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ ——— رواه البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر کی بخشش اور خلق اللہ کی نفع رسانی میں اللہ کے سب بندوں سے فائق تھے، اور رمضان مبارک میں آپ کی یہ کریمانہ صفت اور زیادہ ترقی کر جاتی تھی۔ رمضان کی ہر رات میں جبرئیلِ امین آپؐ سے ملتے تھے، اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو قرآن مجید سناتے تھے۔ تو جب روزانہ جبرئیلؑ آپؐ سے ملتے تو آپؐ کی اس کریمانہ

نفع رسانی اور خیر کی بخشش میں اللہ کی بھیجی ہوئی ہواؤں سے بھی زیادہ تیزی آجاتی، اور زور پیدا ہوجاتا ———— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) گویا رمضان مبارک کا مہینہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک کے لئے بہار و نشاط کا اور نشر خیر کی صفت میں ترقی کا مہینہ تھا، اور اس میں اس چیز کو بھی دخل تھا کہ اس مہینے کی ہر رات میں اللہ کے خاص پیغامبر جبرئیل امینؑ آتے تھے اور آپ ان کو قرآن مجید سُناتے تھے۔

رمضان کی آمد پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ:————

(۶۴) عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُّزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْئٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْطِی اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰی مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِیْ شَرْبَةً لَا یَظْمَأُ حَتّٰی یَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْکِهٖ فِیْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ۔ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(**ترجمہ**) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہِ شعبان کی آخری تاریخ کو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک خطبہ دیا ——— اُس میں آپ نے فرمایا:۔اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ افگن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شبِ قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہِ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کیلئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستّر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنّت ہے۔ یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہو گا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں

کوئی کمی کی جائے ——— آپ سے عرض کیا گیا کہ :- یا رسُول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپ نے فرمایا کہ :- اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے (رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلادے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہونچ جائے گا ——— (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اس ماہِ مبارک کا ابتدائی حصّہ رحمت ہے اور درمیانی حصّہ مغفرت ہے اور آخری حصّہ آتشِ دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کردے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے دیگا ——— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اِس خطبۂ نبویؐ کا مطلب و مدعا واضح ہے، تاہم اس کے چند اجزاء کی مزید وضاحت کے لئے کچھ عرض کیا جاتا ہے :———

(۱) اِس خطبہ میں ماہِ رمضان کی سب سے بڑی اور پہلی عظمت و فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جو ہزار دنوں اور راتوں سے نہیں، بلکہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یہ بات جیسا کہ معلوم ہے قرآن مجید سورۃ القدر میں بھی فرمائی گئی ہے بلکہ اس پوری سورۃ میں اس مبارک رات کی عظمت اور فضیلت ہی کا بیان ہے، اور اس رات کی عظمت و اہمیت سمجھنے کے لئے بس یہی بات کافی ہے۔

ایک ہزار مہینوں میں قریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں، اس لیلۃ القدر کے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اُس کے

قرب و رضا کے طالب بندے اس ایک رات میں قربِ الٰہی کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں جو دوسری ہزاروں راتوں میں طے نہیں ہو سکتی۔ ہم جس طرح اپنی اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تیز رفتار ہوائی جہاز یا راکٹ کے ذریعہ اب ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ میں اُس سے زیادہ مسافت طے کی جا سکتی ہے جتنی پُرانے زمانے میں سیکڑوں برس میں طے ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح حصولِ رضائے خداوندی اور قربِ الٰہی کے سفر کی رفتار لیلۃ القدر میں اتنی تیز کر دی جاتی ہے کہ جو بات صادق طالبوں کو سیکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہو سکتی، وہ اس مبارک رات میں حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اور اسی کی روشنی میں حضورؐ کے اس ارشاد کا مطلب بھی سمجھنا چاہئیے کہ اس مبارک مہینہ میں جو شخص کسی قسم کی نفلی نیکی کرے گا اس کا ثواب دوسرے زمانہ کی فرض نیکی کے برابر ملے گا، اور فرض نیکی کرنے والے کو دوسرے زمانہ کے ستّر فرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا ——
گویا "لیلۃ القدر" کی خصوصیت تو رمضان مبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے، لیکن نیکی کا ثواب ستّر گنا ملنا یہ رمضان مبارک کے ہر دن اور ہر رات کی برکت اور فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے، اور ان سے مستفید اور متمتع ہونے کی توفیق دے۔

(۲) اس خطبہ میں رمضان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے۔ دینی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں اللہ کی رضا کے لئے اپنے نفس کی خواہشوں کو دبانا اور تلخیوں اور ناگواریوں کو جھیلنا۔ ظاہر ہے کہ روزہ کا اوّل و آخر بالکل یہی ہے، اسی طرح روزہ رکھ کر ہر روزہ دار کو تجربہ ہوتا ہے کہ فاقہ کیسی تکلیف کی چیز ہے، اس سے اُس کے اندر اُن غرباء اور مساکین کی ہمدردی اور غمخواری کا جذبہ پیدا ہونا چاہئیے جو بیچارے ناداری کی وجہ سے فاقوں پہ فاقے کرتے ہیں۔ اس لئے رمضان کا مہینہ بلاشبہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے۔

(۳) یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ :—— "اس بابرکت مہینہ میں اہلِ ایمان کے رزق میں

اضافہ کیا جاتا ہے"۔۔۔۔۔ اس کا تجربہ تو بلا استثناء ہر صاحب ایمان روزہ دار کو ہوتا ہے کہ
رمضان مبارک میں جتنا اچھا اور جتنی فراغت سے کھانے پینے کو ملتا ہے باقی گیارہ مہینوں میں
اتنا نصیب نہیں ہوتا، خواہ اس عالم اسباب میں وہ کسی بھی راستے سے آئے، سب اللہ ہی کے
حکم سے اور اسی کے فیصلے سے آتا ہے۔

(۴) خطبہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ:۔۔۔۔۔ "رمضان کا ابتدائی حصہ رحمت ہے،
درمیانی حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے"۔

اس عاجز کے نزدیک اس کی راجح اور دل کو زیادہ لگنے والی توجیہ اور تشریح یہ ہے کہ
رمضان کی برکتوں سے مستفید ہونے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ اصحاب
صلاح وتقویٰ جو ہمیشہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے کوئی خطا اور
لغزش ہو جاتی ہے تو اسی وقت توبہ و استغفار سے اس کی صفائی و تلافی کر لیتے ہیں، تو ان بندوں
پر تو شروع مہینہ ہی سے بلکہ اس کی پہلی ہی رات سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔
دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ایسے متقی اور پرہیزگار تو نہیں ہیں لیکن اس لحاظ سے بالکل
گئے گزرے بھی نہیں ہیں، تو ایسے لوگ جب رمضان کے ابتدائی حصے میں روزوں اور دوسرے
اعمال خیر اور توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے حال کو بہتر اور اپنے کو رحمت و مغفرت کے لائق
بنا لیتے ہیں، تو درمیانی حصے میں ان کی بھی مغفرت اور معافی کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔
اور تیسرا طبقہ اُن لوگوں کا ہے جو اپنے نفسوں پر بہت ظلم کر چکے ہیں اور ان کا حال بڑا ابتر رہا ہے
اور اپنی بداعمالیوں سے وہ گویا دوزخ کے پورے پورے مستحق ہو چکے ہیں، وہ بھی جب رمضان کے
پہلے اور درمیانی حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کے اور توبہ و استغفار کر کے اپنی
سیاہ کاریوں کی کچھ صفائی اور تلافی کر لیتے ہیں تو اخیر عشرہ میں (جو دریائے رحمت کے جوش کا
عشرہ ہے) اللہ تعالیٰ دوزخ سے ان کی بھی نجات اور رہائی کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔۔۔۔۔
اس تشریح کی بنا پر رمضان مبارک کے ابتدائی حصے کی رحمت[1]، درمیانی حصے کی مغفرت[2] اور

آخری حصے میں جہنم سے آزادی کا تعلق بالترتیب اُمتِ مسلمہ کے ان مذکورہ بالا تین طبقوں سے ہوگا۔ واللہ اعلم

روزہ کی قدر وقیمت اور اس کا صلہ:

(۶۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ یُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللهُ تَعَالٰی اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ یَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِیْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ وَالصِّیَامُ جُنَّةٌ وَاِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ امْرُؤٌ صَائِمٌ۔

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (روزہ کی فضیلت اور قدر وقیمت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھایا جاتا ہے (یعنی اس امتِ مرحومہ کے اعمالِ خیر کے متعلق عام قانونِ الٰہی یہی ہے کہ ایک نیکی کا اجر اگلی امتوں کے لحاظ سے کم ازکم دس گنا ضرور عطا ہوگا اور بعض اوقات عمل کرنے کے خاص حالات اور اخلاص وخشیت وغیرہ کیفیات کی وجہ سے اس سے بھی بہت زیادہ عطا ہوگا، یہاں تک کہ بعض مقبول بندوں کو اُن کے اعمالِ حسنہ کا

اجر سات سوگنا عطا فرمایا جائے گا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے
اس عام قانونِ رحمت کا ذکر فرمایا) مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔ روزہ اس عام
قانون سے مستثنیٰ اور بالاتر ہے، وہ بندہ کی طرف سے خاص میرے لئے ایک تحفہ ہے اور
میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر و ثواب دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے
اپنی خواہشِ نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق
اس کی اس قربانی اور نفس کشی کا صلہ دوں گا) روزہ دار کے لئے دو مسرتیں ہیں:۔
ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے مالک و مولیٰ کی بارگاہ میں حضوری اور شرفِ
باریابی کے وقت۔ اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو
سے بھی بہتر ہے (یعنی انسانوں کے لئے مشک کی خوشبو جتنی اچھی اور جتنی پیاری ہے
اللہ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بو اُس سے بھی اچھی ہے) اور روزہ دُنیا میں
شیطان و نفس کے حملوں سے بچاؤ کے لئے اور آخرت میں آتشِ دوزخ سے حفاظت
کے لئے) ڈھال ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہئیے کہ وہ بیہودہ اور
فحش باتیں نہ بکے اور شور و شغب نہ کرے، اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوچ یا
جھگڑا ٹنٹا کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے اکثر وضاحت طلب اجزا کی تشریح ترجمہ کے ضمن میں
کردی گئی ہے۔ آخر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ:۔
"جب کسی کا روزہ ہو تو وہ فحش اور گندی باتیں اور شور و شغب بالکل نہ کرے، اور اگر بالفرض
کوئی دوسرا اس سے اُلجھے اور گالیاں بکے جب بھی یہ کوئی سخت بات نہ کہے، بلکہ صرف اتنا
کہہ دے کہ:۔ بھائی! میرا روزہ ہے" ۔۔۔۔ اس آخری ہدایت میں اشارہ ہے کہ
اس حدیث میں روزہ کی جو خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان کی گئی ہیں یہ انہی روزوں کی ہیں جن میں

شہوتِ نفس اور کھانے پینے کے علاوہ گناہوں سے حتیٰ کہ بُری اور ناپسندیدہ باتوں سے بھی پرہیز کیا گیا ہو ـــــــ ایک دوسری حدیث میں (جو عنقریب درج ہوگی) فرمایا گیا ہے کہ :- جو شخص روزہ رکھے لیکن بُرے کاموں اور غلط باتوں سے پرہیز نہ کرے تو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے ۔

(۶۶) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ اَيْنَ الصَّائِمُوْنَ ؟ فَيَقُوْمُوْنَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ فَاِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ اَحَدٌ ـــــــ رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جنّت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو "باب الرّیان" کہا جاتا ہے ۔ اس دروازہ سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، ان کے سوا کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہوسکے گا ۔ اس دن پکارا جائے گا کہ کدھر ہیں وہ بندے جو اللہ کے لئے روزے رکھا کرتے تھے اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے) وہ اس پکار پر چل پڑیں گے، ان کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں ہوسکے گا ۔ جب وہ روزہ دار اس دروازے سے جنّت میں پہونچ جائیں گے تو یہ دروازہ بند کردیا جائے گا، پھر کسی کا اس سے داخلہ نہیں ہوسکے گا ۔

ـــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) روزہ میں جس تکلیف کا احساس سب سے زیادہ ہوتا ہے اور جو روزہ دار کی سب سے بڑی قربانی ہے وہ اس کا پیاسا رہنا ہے، اس لئے اس کو جو صلہ اور انعام دیا جائے

اُس میں سب سے زیادہ نمایاں اور غالب پہلو سیرابی کا ہونا چاہئیے۔ اسی مناسبت سے جنّت میں روزہ داروں کے داخلہ کے لئے جو مخصوص دروازہ مقرر کیا گیا ہے اس کی خاص صفت سیرابی و شادابی ہے۔ ریّان کے لغوی معنی ہیں "پورا پورا سیراب" یہ بھرپور سیرابی تو اس دروازہ کی صفت ہے جس سے روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، آگے جنّت میں پہونچ کر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے انعامات ان پر ہوں گے ان کا علم تو بس اُس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جس کا ارشاد ہے کہ:۔۔۔۔

اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ ۔۔۔۔ بندہ کا روزہ بس میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کا صلہ دوں گا۔

(۶۷) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مُرْنِیْ بِاَمْرٍ یَنْفَعُنِی اللّٰہُ بِہٖ قَالَ عَلَیْکَ بِالصَّوْمِ فَاِنَّہٗ لَا مِثْلَ لَہٗ ۔۔۔۔ رواہ النسائی

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:۔ مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ روزہ رکھا کرو، اس کی مثل کوئی بھی عمل نہیں ہے۔ ۔۔۔۔ (سنن نسائی)

(تشریح) نماز، روزہ، صدقہ، حج اور خلق اللہ کی خدمت وغیرہ اعمالِ صالحہ میں یہ بات مشترک ہونے کے باوجود کہ یہ سب تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں ان کی الگ الگ کچھ خاص تاثیرات اور خصوصیات بھی ہیں جن میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد ہیں۔ گویا:۔ ع ۔۔۔۔ "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

ان انفرادی اور امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ:۔ "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے"۔۔۔۔ مثلاً نفس کو مغلوب و مقہور کرنے اور اس کی خواہشوں کو دبانے کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس صفت میں

کوئی دوسرا عمل روزہ کے مثل نہیں ہے ـــــــ پس حضرت ابوامامہ کی اس حدیث میں روزہ کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ: "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے" اس کی حقیقت یہی سمجھنی چاہیئے۔ نیز ملحوظ رہنا چاہیئے کہ ابو امامہ کے خاص حالات میں اُن کے لئے زیادہ نفع مند روزہ ہی تھا، اس لئے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی کی ہدایت فرمائی ـــــــ اور اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ ابوامامہ نے یہ جواب پانے کے بعد دوبارہ اور سہ بارہ بھی عرض کیا کہ: "مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے جس کو میں کیا کروں" تو دونوں دفعہ آپ نے روزہ ہی کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: - بس روزہ رکھا کرو، اس کے مثل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے یعنی تمھارے خاص حالات میں تم کو اسی سے زیادہ نفع ہوگا۔ واللہ اعلم

روزے اور تراویح باعث مغفرت: ـــــــ

(۶۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ـــــــ رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: - جو لوگ رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گذشتہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے اُن کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان و احتساب

کے ساتھ نوافل پڑھیں گے اُن کے بھی سارے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

——————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رمضان کے روزوں، اس کی راتوں کے نوافل اور خصوصیت سے شب قدر کے نوافل کو پچھلے گناہوں کی مغفرت اور معافی کا یقینی وسیلہ بتایا گیا ہے بشرطیکہ یہ روزے اور نوافل ایمان و احتساب کے ساتھ ہوں —— یہ ایمان و احتساب خاص دینی اصطلاحیں ہیں، اور ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو نیک عمل کیا جائے اس کی بنیاد اور اس کا محرک بس اللہ و رسول کو ماننا اور ان کے وعدہ و وعید پر یقین لانا اور ان کے بتائے ہوئے اجر و ثواب کی طمع اور امید ہی ہو، کوئی دوسرا جذبہ اور مقصد اس کا محرک نہ ہو۔ اسی ایمان و احتساب سے ہمارے اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑتا ہے، بلکہ یہی ایمان و احتساب ہمارے اعمال کے قلب و روح ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو پھر ظاہر کے لحاظ سے بڑے سے بڑے اعمال بھی بے جان اور کھوکھلے ہیں جو خدانخواستہ قیامت کے دن کھوٹے سکے ثابت ہوں گے، اور ایمان و احتساب کے ساتھ بندے کا ایک عمل بھی اللہ کے ہاں اتنا عزیز اور قیمتی ہے کہ اس کے صدقہ اور طفیل میں اس کے برسہا برس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان و احتساب کی یہ صفت اپنے فضل سے نصیب فرمائے۔

روزہ اور قرآن کی شفاعت:——————

(۶۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ ——

—————— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے (یعنی اُس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اُس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سُنے گا)۔ روزہ عرض کرے گا:۔ اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اِس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما)۔ اور قرآن کہے گا کہ:۔ میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، خداوندا! آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا) اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا۔

——— (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) کیسے خوش نصیب ہیں وہ بندے جن کے حق میں اُن کے روزوں کی اور نوافل میں اُن کے پڑھے ہوئے یا سُنے ہوئے قرآنِ پاک کی سفارش قبول ہو گی، یہ اُن کے لئے کیسی مسرت اور فرحت کا وقت ہو گا ——— اللہ تعالیٰ اپنے اس سیاہ کار بندے کو بھی محض اپنے کرم سے اُن خوش بختوں کے ساتھ کر دے!۔

رمضان کا ایک روزہ چھوڑنے کا نقصان ناقابلِ تلافی:———

(۷۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِّنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَةٍ وَّلَا مَرَضٍ لَمْ یَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ

كُلِّهٖ وَاِنْ صَامَهٗ ——————— رواہ احمد

والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی والبخاری فی ترجمۃ باب۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- جو آدمی سفر وغیرہ کی شرعی رخصت کے بغیر اور بیماری (جیسے کسی عذر) کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ اگر اس کے بجائے عمر بھر بھی روزے رکھے تو جو چیز فوت ہوگئی وہ پوری ادا نہیں ہو سکتی ——— (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی) ——— (اور صحیح بخاری میں بھی بغیر سند کے ایک ترجمہ باب میں اس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے)۔

(تشریح) حدیث کا مدعا اور مطلب یہ ہے کہ شرعی عذر اور رخصت کے بغیر رمضان کا ایک روزہ دانستہ چھوڑنے سے رمضان مبارک کی خاص برکتوں اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص رحمتوں سے جو محرومی ہوتی ہے، عمر بھر نفل روزے رکھنے سے بھی اس محرومی اور خسران کی تلافی نہیں ہو سکتی، اگرچہ ایک روزے کی قانونی قضا ایک ہی دن کا روزہ ہے، لیکن اس سے وہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا جو روزہ چھوڑنے سے کھو گیا ——— پس جو لوگ بے پروائی کے ساتھ رمضان کے روزے چھوڑتے ہیں وہ سوچیں کہ اپنے کو وہ کتنا نقصان پہونچاتے ہیں۔

روزے میں معصیتوں سے پرہیز:———

(۷۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ ———

——————— رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ :- جو آدمی روزہ رکھتے ہوئے باطل کلام اور باطل کام نہ چھوڑے ، تو اللہ کو
اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ________ (صحیح بخاری)

(تشریح) معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں روزے کے مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کھانا پینا چھوڑنے کے علاوہ معصیات و منکرات سے بھی زبان و دہن اور دوسرے اعضاء کی حفاظت کرے ۔ اگر کوئی شخص روزہ رکھے اور گناہ کی باتیں اور گناہ والے اعمال کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی کوئی پروا نہیں ۔

عشرۂ اخیرہ اور لیلۃ القدر :

جس طرح رمضان المبارک کو دوسرے مہینوں کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے اسی طرح اس کا آخری عشرہ پہلے دونوں عشروں سے بہتر ہے اور لیلۃ القدر اکثر و بیشتر اسی عشرہ میں ہوتی ہے ۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت وغیرہ کا اہتمام اس میں اور زیادہ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے ۔

(۷۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهٖ ۔
________ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت وغیرہ میں وہ مجاہدہ کرتے اور وہ مشقت اٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے ________ (صحیح مسلم)

(۷۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَاَحْيٰى لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ ________ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: جب رمضان کا عشرہ اخیرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے (یعنی پوری رات عبادت اور ذکر و دعا میں مشغول رہتے) اور اپنے گھر کے لوگوں (یعنی ازواج مطہرات اور دوسرے متعلقین) کو بھی جگا دیتے (تاکہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں و سعادتوں میں حصہ لیں) ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ ——— رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: شب قدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ شب قدر زیادہ تر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے یعنی اکیسویں یا تئیسویں یا پچیسویں، یا ستائیسویں یا انتیسویں ——— شب قدر کی اگر اس طرح تعیین کر دی جاتی کہ وہ خاص فلاں رات ہے تو بہت سے لوگ بس اسی رات میں عبادت وغیرہ کا خاص اہتمام کیا کرتے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح مبہم رکھا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا۔ اور دوسری جگہ فرمایا گیا کہ قرآن کا نزول ماہ رمضان میں ہوا۔ اس سے اشارہ ملا کہ وہ شب قدر رمضان کی راتوں میں سے کوئی رات تھی ——— پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مزید نشاندہی کے طور پر فرمایا کہ: رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس کا زیادہ امکان ہے، لہذا ان راتوں کا خاص اہتمام کیا جائے ——— اس مضمون کی حدیثیں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ دوسرے صحابۂ کرامؓ سے بھی مروی ہیں ... ۔ اور بعض صحابہؓ کا خیال تھا کہ شب قدر عموماً

رمضان کی ستائیسویں ہی ہوتی ہے۔

(۷۵) عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ سَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ مَنْ يَّقُمِ الْحَوْلَ يُصِبْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللهُ أَرَادَ أَنْ لَّا يَتَّكِلَ النَّاسُ أَمَا إِنَّهُ قَدْ عَلِمَ أَنَّهَا فِيْ رَمَضَانَ وَأَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَأَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ ثُمَّ حَلَفَ لَا يَسْتَثْنِيْ أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ فَقُلْتُ بِأَيِّ شَيْءٍ تَقُوْلُ ذٰلِكَ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ قَالَ بِالْعَلَامَةِ أَوْ قَالَ بِالْآيَةِ الَّتِيْ أَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا تَطْلُعُ يَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) زرّ ابن حبیش جو اکابر تابعین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کے دینی بھائی عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جو کوئی پورے سال کی راتوں میں کھڑا ہو گا (یعنی ہر رات عبادت کیا کرے گا) اس کو شب قدر نصیب ہو ہی جائے گی (یعنی لیلۃ القدر سال کی کوئی نہ کوئی رات ہوتی ہے؛ پس جو اس کی برکات کا طالب ہو اُسے چاہئے کہ سال کی ہر رات کو عبادت سے معمور کرے اس طرح وہ یقینی طور پر شب قدر کی برکات پا سکے گا ——— زرّ ابن حبیش نے حضرت ابن مسعود کی یہ بات نقل کر کے حضرت ابی بن کعب سے دریافت کیا کہ آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے) انھوں نے فرمایا کہ بھائی ابن مسعود پر خدا کی رحمت ہو، ان کا مقصد اس بات سے یہ تھا کہ لوگ کسی ایک ہی رات کی عبادت پر قناعت نہ کر لیں ورنہ ان کو یہ بات یقیناً معلوم تھی کہ شب قدر رمضان ہی کے مہینہ میں ہوتی ہے اور اس کے بھی خاص آخری عشرہ ہی میں ہوتی ہے (یعنی اکیسویں سے انتیسویں یا تیسویں تک)

اور وہ معین ستائیسویں شب ہے۔ پھر انھوں نے پوری قطعیت کے ساتھ قسم کھا کر کہا کہ:۔
وہ بلاشبہ ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے (اور اپنے یقین و اطمینان کے اظہار کے لئے
قسم کے ساتھ) انھوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا (زر ابن حبیش کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا
کہ اے ابوالمنذر! (یہ حضرت اُبی کی کنیت ہے) یہ آپ کس بنا پر فرماتے ہیں؟ ___ انھوں نے
فرمایا کہ:۔ میں یہ بات اس نشانی کی بنا پر کہتا ہوں جس کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو
خبر دی تھی، اور وہ یہ کہ شب قدر کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اس کی شعاع نہیں ہوتی۔
___ (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت اُبی بن کعبؓ کے جواب سے معلوم ہوا کہ انھوں نے جو قطعیت کیساتھ
یہ بات کہی کہ شب قدر معین طور سے ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے۔ یہ بات انھوں نے رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں سُنی تھی، بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی جو ایک خاص
نشانی بتائی تھی انھوں نے چونکہ وہ نشانی عموماً ستائیسویں شب کی صبح ہی کو دیکھی تھی، اس لئے
یقین کے ساتھ انھوں نے رائے قائم کرلی تھی ___ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
کبھی تو یہ فرمایا کہ اس کو آخری عشرہ میں تلاش کرو، اور کبھی فرمایا کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں
تلاش کرو، کبھی عشرۂ اخیرہ کی پانچ طاق راتوں میں سے چار یا تین راتوں کے لئے فرمایا کسی خاص رات
کی تعیین آپ نے نہیں فرمائی۔ ہاں بہت سے اصحاب ادراک کا تجربہ یہی ہے کہ وہ زیادہ تر
ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے ___ اس عدم تعیین کی بڑی حکمت یہی ہے کہ طالب بندے
مختلف راتوں میں عبادت وذکر ودعا کا اہتمام کریں، ایسا کرنے والوں کی کامیابی یقینی ہے۔

(۷۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
فِیْ كُبْكُبَةٍ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ
اَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ ___ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہوتے ہیں اور ہر اُس بندے کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا اللہ کے ذکر و عبادت میں مشغول ہوتا ہے ———— (شعب الایمان للبیہقی)

شب قدر کی خاص دُعا:————

(۷۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيَّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا أَقُولُ فِيهَا قَالَ قُولِي اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي۔

———— رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون رات شب قدر ہے تو میں اُس رات اللہ سے کیا عرض کروں اور کیا دُعا مانگوں؟ آپ نے فرمایا، یہ عرض کرو:————

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيمٌ — اے میرے اللہ! تو بہت معاف فرمانے والا
تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي۔ — اور بڑا کرم فرما ہے، اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے

پس تو میری خطائیں معاف فرما دے!

———— (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر اللہ کے بہت سے بندوں کا یہ معمول ہے کہ وہ ہر رات میں یہ دُعا خصوصیت سے کرتے ہیں، اور رمضان مبارک کی راتوں میں اور ان میں سے بھی خاص کر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس دُعا کا اور بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

————

رمضان کی آخری رات :-

(۷۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ یُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِیْ اٰخِرِ لَیْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَهِیَ لَیْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا یُوَفّٰی اَجْرُهٗ اِذَا قَضٰی عَمَلَهٗ۔

رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ رمضان کی آخری رات میں آپ کی اُمت کے لئے مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا :۔ یارسول اللہ! کیا وہ شب قدر ہوتی ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ :۔ شب قدر تو نہیں ہوتی لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا عمل پورا کر دے تو اس کو پوری اُجرت مل جاتی ہے ۔ (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان مبارک کی آخری رات بھی خاص مغفرت کے فیصلہ کی رات ہے لیکن اس رات میں مغفرت اور بخشش کا فیصلہ اُنہی بندوں کے لئے ہوگا جو رمضان مبارک کے عملی مطالبات کسی درجہ میں پورے کرکے اُس کا استحقاق پیدا کرلیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

اعتکاف :

رمضان مبارک اور بالخصوص اس کے آخری عشرہ کے اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے ـــــ اعتکاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر طرف سے یکسو اور سب سے منقطع ہو کر بس اللہ سے لو لگا کے اُس کے در پہ (یعنی کسی مسجد کے کونہ میں) پڑ جائے، اور سب سے الگ تنہائی میں

اس کی عبادت اور اسی کے ذکر و فکر میں مشغول رہے، یہ خواص بلکہ اخص الخواص کی عبادت ہے۔ اس عبادت کے لئے بہترین وقت رمضان مبارک اور خاص کر اس کا آخری عشرہ ہی ہو سکتا تھا اس لئے اسی کو اس کے لئے انتخاب کیا گیا۔

نزولِ قرآن سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طبیعتِ مبارک میں سب سے یکسو اور الگ ہو کر تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر کا جو بیتابانہ جذبہ پیدا ہوا تھا جس کے نتیجہ میں آپ مسلسل کئی مہینے غارِ حرا میں خلوت گزینی کرتے رہے، یہ گویا آپ کا پہلا اعتکاف تھا اور اس اعتکاف ہی میں آپ کی روحانیت اس مقام تک پہونچ گئی تھی کہ آپ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہو جائے چنانچہ حرا کے اس اعتکاف کے آخری ایام ہی میں اللہ کے حامل وحی فرشتے جبرئیل سورۂ اقراء کی ابتدائی آیتیں لے کر نازل ہوئے ــــــ تحقیق یہ ہے کہ یہ رمضان مبارک کا مہینہ[1] اور اسی کا آخری عشرہ تھا اور وہ رات شب قدر تھی۔ اس لئے بھی اعتکاف کے لئے رمضان مبارک کے آخری عشرہ کا انتخاب کیا گیا۔

روح کی تربیت و ترقی اور نفسانی قوتوں پر اس کو غالب کرنے کے لئے پورے مہینے رمضان کے روزے تو تمام افرادِ اُمت پر فرض کئے گئے، گویا کہ اپنے باطن میں ملکوتیت کو غالب اور بہیمیت کو مغلوب کرنے کے لئے اتنا مجاہدہ اور نفسانی خواہشات کی اتنی قربانی تو ہر مسلمان کے لئے لازم کردی گئی کہ وہ اس پورے محترم اور مقدس مہینے میں اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی عبادت کی نیت سے دن کو نہ کھاوے نہ پیوے، نہ بیوی سے متمتع ہو، اور اسی کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں بلکہ فضول باتوں سے بھی پرہیز کرے اور یہ پورا مہینہ ان پابندیوں کے ساتھ گزارے ــــــ پس یہ تو رمضان مبارک میں روحانی تربیت و تزکیہ کا عوامی اور کمپلسری کورس مقرر کیا گیا، اور اس سے آگے تعلق باللہ میں ترقی اور ملاءِ اعلیٰ سے خصوصی مناسبت پیدا کرنے کے لئے اعتکاف رکھا گیا۔

---

[1] کما رواہ البیہقی واختارہ ابن اسحاق ۔ راجع فتح الباری ۔

اس اعتکاف میں اللہ کا بندہ سب سے کٹ کے اور سب سے ہٹ کے اپنے مالک و مولا کے آستانے پر اور گویا اسی کے قدموں میں پڑ جاتا ہے، اس کو یاد کرتا ہے، اسی کے دھیان میں رہتا ہے اس کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے، اُس کے حضور میں توبہ و استغفار کرتا ہے اپنے گناہوں اور قصوروں پر روتا ہے، اور رحیم و کریم مالک سے رحمت و مغفرت مانگتا ہے، اس کی رضا اور اس کا قرب چاہتا ہے اسی حال میں اس کے دن گزرتے ہیں اور اسی حال میں اس کی راتیں ——— ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی بندے کی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہتمام سے ہر سال رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے، بلکہ ایک سال کسی وجہ سے رہ گیا تو اگلے سال آپ نے دو عشروں کا اعتکاف فرمایا ... ——— اس تمہید کے بعد اس سلسلے کی حدیثیں پڑھئے! :———

(۷۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهٖ ———

——— رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، وفات تک آپ کا یہ معمول رہا، آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اہتمام سے اعتکاف کرتی رہیں۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ازواجِ مطہرات اپنے حجروں میں اعتکاف فرماتی تھیں، اور خواتین کے لئے اعتکاف کی جگہ اُن کے گھر کی وہی جگہ ہے جو انھوں نے نماز پڑھنے کی مقرر کر رکھی ہو، اگر گھر میں نماز کی کوئی خاص جگہ مقرر نہ ہو تو اعتکاف کرنے والی خواتین کو ایسی جگہ مقرر کر لینی چاہئے۔

(۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ ——

—— رواه الترمذی

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال آپ اعتکاف نہیں کر سکے، تو اگلے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت انسؓ کی اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ایک سال اعتکاف نہ ہو سکنے کی کیا وجہ پیش آئی تھی۔ سنن نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت ابی بن کعب کی ایک حدیث مروی ہے اُس میں تصریح ہے کہ ایک سال رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں آپ کو کوئی سفر کرنا پڑ گیا تھا اس کی وجہ سے اعتکاف نہیں ہو سکا تھا اس لئے اگلے سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ جس سال آپ کا وصال ہوا اس سال کے رمضان میں بھی آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا تھا۔ یہ بیس دن کا اعتکاف غالباً اس وجہ سے فرمایا تھا کہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ عنقریب آپ کو اس دنیا سے اٹھا لیا جائے گا اس لئے اعتکاف جیسے اعمال کا شغف بڑھ جانا بالکل قدرتی بات تھی۔ ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

(۱۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَّلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَّلَا يَمَسَّ الْمَرْأَةَ وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَّلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ

جامع ــــــــــــــــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرمایا کہ: معتکف کے لئے شرعی دستور اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کو جائے، نہ نماز جنازہ میں شرکت کے لئے باہر نکلے، نہ عورت سے صحبت کرے، نہ بوس وکنار کرے، اور اپنی ضرورتوں کے لئے بھی مسجد سے باہر نہ جائے سوائے اُن حوائج کے جو بالکل ناگزیر ہیں (جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ) اور اعتکاف (روزہ کے ساتھ ہونا چاہئے) بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں، اور مسجد جامع میں ہونا چاہئے، اس کے سوا نہیں ــــــــــــ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس سلسلۂ معارف الحدیث میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ صحابۂ کرامؓ میں سے جب کوئی یہ کہے کہ "سُنّت" یہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد یا طرزِ عمل سے جانا ہے اس لئے یہ حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہوتا ہے، اس بنا پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں اعتکاف کے جو مسائل بیان کئے گئے ہیں وہ نبوی ہدایات ہی کے حکم میں ہیں، اس کے بالکل آخر میں "مسجد جامع" کا جو لفظ ہے اس سے مُراد جماعت والی مسجد ہے یعنی ایسی مسجد جس میں پانچوں وقت جماعت پابندی سے ہوتی ہو ــــــــ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ بھی شرط ہے اور جماعت والی مسجد کا ہونا بھی۔

(۴۲) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْرٰى لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا۔

ــــــــــــــــــ رواہ ابن ماجۃ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ (اعتکاف کی

وجہ سے اور مسجد میں مقید ہو جانے کی وجہ سے) گناہوں سے بچا رہتا ہے، اور اس کا نیکیوں کا حساب ساری نیکیاں کرنے والے بندے کی طرح جاری رہتا ہے، اور نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے ——— (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جب بندہ اعتکاف کی نیت سے اپنے کو مسجد میں مقید کر دیتا ہے تو اگرچہ وہ عبادت اور ذکر و تلاوت وغیرہ کے راستہ سے اپنی نیکیوں میں خوب اضافہ کرتا ہے لیکن بعض بہت بڑی نیکیوں سے وہ مجبور بھی ہو جاتا ہے، مثلاً وہ بیماروں کی عیادت اور خدمت نہیں کر سکتا جو بہت بڑے ثواب کا کام ہے کسی لاچار مسکین، یتیم اور بیوہ کی مدد کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتا کسی میت کو غسل نہیں دے سکتا، جو اگر ثواب کے لئے اور اخلاص کے ساتھ ہو تو بہت بڑے اجر کا کام ہے، اسی طرح نماز جنازہ کی شرکت کے لئے نہیں نکل سکتا، میت کے ساتھ قبرستان نہیں جا سکتا جس کے ایک ایک قدم پر گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ لیکن اس حدیث میں اعتکاف والے کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اس کے حساب اور اس کے صحیفۂ اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جن کے کرنے سے وہ اعتکاف کی وجہ سے مجبور ہو جاتا ہے، اور وہ ان کا عادی تھا۔ ؎

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

رویتِ ہلال :———

شریعتِ اسلامی نے خاص اعمال و عبادات کے لئے جو مخصوص اوقات یا دن یا زمانے مقرر کئے ہیں ان کی تعیین میں اس بات کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس وقت یا دن یا اس زمانہ کا جاننا پہچاننا کسی علم یا فلسفہ پر یا کسی آلہ کے استعمال پر موقوف نہ ہو، بلکہ ایک عامی اور بے پڑھا دیہاتی آدمی بھی مشاہدہ سے اس کو جان سکے۔ اسی لئے نماز اور روزے کے اوقات سورج کے حساب سے مقرر کئے گئے۔ مثلاً فجر کا وقت صبحِ صادق سے لیکر طلوعِ آفتاب

تک کا مقرر کیا گیا، ظہر کا وقت سورج کے نصف النہار سے ڈھل جانے کے بعد سے ایک مثل یا دو مثل سایہ ہو جانے تک، اور عصر کا وقت اس کے بعد سے غروب آفتاب تک کا رکھا گیا۔ اسی طرح مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد سے شفق کے رہنے تک اور عشاء کا شفق کے غائب ہو جانے کے بعد بتایا گیا۔ ایسا ہی روزہ کا وقت صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کا رکھا گیا ہے ــــــــ ظاہر ہے کہ ان اوقات کے جاننے کے لئے کسی علم یا فلسفہ کی اور کسی آلہ کے استعمال کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر آدمی اپنے مشاہدہ سے ان کو جان سکتا ہے، اور جس طرح عوام کی سہولت کے پیش نظر نماز اور روزہ کے ان اوقات کے لئے سورج کے طلوع و غروب اور اتار چڑھاؤ کو معیار اور نشان قرار دیا گیا ۱۲ سی طرح زکوٰۃ اور حج اور روزہ وغیرہ اُن اعمال اور عبادات کے لئے جن کا تعلق مہینے یا سال سے ہے چاند کو معیار قرار دیا گیا، اور بجائے شمسی سال اور مہینوں کے قمری سال اور مہینوں کا اعتبار کیا گیا، کیونکہ عوام اپنے مشاہدہ سے قمری مہینوں ہی کو جان سکتے ہیں۔ شمسی مہینوں کے آغاز پر کوئی ایسی علامت آسمان یا زمین پر ظاہر نہیں ہوتی جس کو دیکھ کر ہر عامی آدمی سمجھ سکے کہ اب پہلا مہینہ ختم ہو کر دوسرا مہینہ شروع ہو گیا، ہاں قمری مہینوں کا آغاز چونکہ چاند نکلنے سے ہوتا ہے اس لئے ایک ان پڑھ دیہاتی بھی آسمان پر نیا چاند دیکھ کر جان لیتا ہے کہ پچھلا مہینہ ختم ہو کر اب اگلا مہینہ شروع ہو گیا۔

بہرحال شریعت اسلامی نے مہینے اور سال کے سلسلے میں نظام قمری کا جو اعتبار کیا ہے اس کی ایک خاص حکمت عوام کی یہ سہولت بھی ہے ــــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم سنایا، تو یہ بھی بتلایا کہ رمضان کے شروع یا ختم کا ضابطہ اور معیار کیا ہے۔ آپ نے بتایا کہ شعبان کے ۲۹ دن پورے ہونے کے بعد اگر چاند نظر آ جائے تو رمضان کے روزے شروع کر دو، اور اگر ۲۹ ویں کو چاند نظر نہ آئے تو مہینہ کے تیس دن پورے کر کے روزے شروع کرو، اور اسی طرح رمضان کے روزے

۲۹ یا ۳۰ رکھو —— پھر آپؐ نے مختلف موقعوں پر رویتِ ہلال کے متعلق اور سب ضروری ہدایات دیں —— اس تمہید کے بعد مندرجۂ ذیل حدیثیں پڑھئے:—

(۸۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ لَا تَصُومُوا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوا حَتّٰى تَرَوْهُ فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوا لَهُ۔

—— رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ایک موقع پر رمضان کا ذکر فرمایا، اس سلسلہ میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ:— رمضان کا روزہ اُس وقت تک مت رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو اور روزوں کا سلسلہ ختم نہ کرو جب تک کہ شوال کا چاند نہ دیکھ لو، اور اگر (۲۹) کو چاند دکھائی نہ دے تو اس کا حساب پورا کرو (یعنی مہینے کو ۳۰ دن کا سمجھو)۔

—— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۸۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِينَ۔

—— رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:— چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے چھوڑ دو، اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی ۳۰ کی گنتی پوری کرو۔

—— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رمضان کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا دارومدار

رویتِ ہلال (یعنی چاند دکھائی دینے) پر ہے ——— صرف کسی حساب یا قرینہ و قیاس کی بنا پر اس کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ——— پھر رویتِ ہلال کے ثبوت کی ایک شکل تو یہ ہے کہ خود ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا ہو، اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے نے دیکھ کے ہم کو بتایا ہو اور وہ ہمارے نزدیک قابلِ اعتبار ہو۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں بھی کبھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپؐ نے کسی دیکھنے والے کی اطلاع اور شہادت پر رویتِ ہلال کو مان لیا، اور روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم دے دیا۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہوگا۔

(۸۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ۔

——— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ رمضان کے لحاظ سے شعبان کے چاند کو خوب اچھی طرح گنو۔

——— (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رمضان کے پیشِ نظر شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خاص اہتمام کیا جائے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کی خاص فکر اور کوشش کی جائے اور جب ۲۹ دن پورے ہو جائیں تو رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے۔

(۸۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَا لَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهٖ ثُمَّ يَصُوْمُ لِرُؤْيَةِ رَمَضَانَ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلٰثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ ——— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ماہ شعبان کے دن اور اس کی تاریخیں جتنے اہتمام سے یاد رکھتے تھے اتنے اہتمام سے کسی دوسرے مہینے کی تاریخیں یاد نہیں رکھتے تھے، پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھتے تھے، اور اگر (۲۹ شعبان کو) چاند دکھائی نہ دیتا تو ۳۰ دن کی شمار پورا کر کے پھر روزے رکھتے تھے ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک کے اہتمام کی وجہ سے شعبان کا چاند دیکھنے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ پھر اگر ۲۹ شعبان کو رمضان کا چاند نظر آجاتا تو رمضان کے روزے رکھنے شروع فرماتے تھے، اور اگر نظر نہ آتا تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے روزے رکھتے تھے۔

خبر اور شہادت سے چاند کا ثبوت:———

(۸۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ رَأَيْتُ الْهِلَالَ يَعْنِيْ هِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ اَتَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ يَا بِلَالُ اَذِّنْ فِي النَّاسِ اَنْ يَّصُوْمُوْا غَدًا ———

——— رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدوی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے بتایا کہ میں نے آج چاند دیکھا ہے (یعنی رمضان کا چاند)۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا:۔ کیا تم لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دیتے ہو؟۔ اس نے عرض کیا کہ:۔ ہاں! میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔ اور کیا تم

محمد رسول اللہ کی شہادت دیتے ہو؟ - اس نے کہا:- ہاں! میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں (یعنی میں توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہوں، مسلمان ہوں. اس تصدیق کے بعد) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضؓ کو حکم دیا کہ لوگوں میں اس کا اعلان کردو کہ کل سے روزے رکھیں ـــــــــــــ

ـــــــــــــ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رویتِ ہلال کی شہادت یا اطلاع قبول کرنے کے لئے ضروری ہو کہ شہادت یا اطلاع دینے والا صاحب ایمان ہو، کیونکہ وہی اس کی نزاکت اور اہمیت کو اور اس کی بھاری ذمہ داری کو محسوس کرسکتا ہے۔

(۸۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَرَاآ النَّاسُ الْهِلَالَ فَاَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِّيْ رَاَيْتُهٗ فَصَامَ وَاَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهٖ ـــــــــــــ

ـــــــــــــ رواہ ابوداؤد والدارمی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں نے رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی (لیکن عام طور سے لوگ دیکھ نہ سکے) تو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے، تو آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بھی روزے رکھیں ـــــــــــــ (سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کا چاند ثابت ہونے کے لئے صرف ایک مسلمان کی شہادت اور اطلاع بھی کافی ہوسکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور قول کے مطابق ایک آدمی کی شہادت اس صورت میں کافی ہوتی ہے جبکہ مطلع صاف نہ ہو، ابر یا غبار وغیرہ کا اثر ہو، یا وہ شخص بستی کے باہر سے یا کسی بلند علاقہ سے آیا ہو،

لیکن اگر مطلع بالکل صاف ہو اور چاند دیکھنے والا آدمی باہر سے یا کسی بلند مقام سے بھی نہ آیا ہو، بلکہ اس بستی ہی میں چاند دیکھنے کا دعویٰ کرے جس میں باوجود کوشش کے اور کسی نے چاند نہ دیکھا ہو، تو ایسی صورت میں اس کی شہادت پر چاند ہو جانے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس صورت میں دیکھنے والے اتنے آدمی ہونے چاہئیں جن کی شہادت پر اطمینان ہو جائے، امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول یہی ہے۔ لیکن ایک روایت امام صاحبؒ سے یہ بھی ہے کہ رمضان کے چاند کے ثبوت کے لئے ایک دیندار اور قابلِ اعتبار مسلمان کی شہادت بہر حال کافی ہے، اور اکثر دوسرے ائمہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

یہ جو کچھ ذکر کیا گیا اس کا تعلق رمضان کے چاند سے ہے، لیکن عید کے چاند کے ثبوت کے لئے جمہور ائمہ کے نزدیک کم سے کم دو دیندار اور قابلِ اعتبار مسلمانوں کی شہادت ضروری ہے ——— دار قطنی اور طبرانی نے اپنی اپنی سند کے ساتھ عکرمہ تابعی سے روایت کیا ہے کہ :- ایک دفعہ مدینہ کے حاکم کے سامنے ایک آدمی نے رمضان کا چاند دیکھنے کی شہادت دی، اس وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ دونوں مدینہ میں موجود تھے، والیِ مدینہ نے ان دونوں بزرگوں کی طرف رجوع کیا تو انھوں نے بتایا کہ اس ایک آدمی کی شہادت قبول کر لی جائے، اور رمضان ہونے کا اعلان کر دیا جائے اور ساتھ ہی فرمایا کہ :———

إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجَازَ شَهَادَةَ وَاحِدٍ عَلَى رُؤْيَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ وَكَانَ لَا يُجِيْزُ شَهَادَةَ الْإِفْطَارِ إِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ ———

(رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رویتِ ہلال رمضان کی ایک آدمی کی شہادت کو بھی کافی مانا ہے، اور عید کے چاند کی شہادت دو آدمیوں سے

کم کی آپ کافی نہیں قرار دیتے تھے)۔

رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت

شریعتِ اسلامیہ میں پورے رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کا چاند دیکھنے کا خاص اہتمام کیا جائے، بلکہ اس مقصد سے شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خصوصی اہتمام کیا جائے۔ تاکہ کسی دھوکہ یا غفلت سے رمضان کا کوئی روزہ چھوٹ نہ جائے لیکن حدودِ شریعت کی حفاظت کے لئے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کے ایک دو دن پہلے سے روزے نہ رکھے جائیں، اگر عبادت کے شوقین ایسا کریں گے تو خطرہ ہے کہ بیچارے ناواقف عوام اسی کو شریعت کا حکم اور مسئلہ سمجھنے لگیں، اس لئے اس کی ممانعت فرما دی گئی۔

(۹۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُکُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ رَجُلٌ کَانَ یَصُوْمُ صَوْمًا فَلْیَصُمْهُ ذَالِکَ الْیَوْمَ ــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی آدمی رمضان کے ایک دو دن پہلے سے روزے نہ رکھے، الا یہ کہ اتفاق سے وہ دن پڑ جائے جس میں روزہ رکھنے کا کسی آدمی کا معمول ہو تو وہ شخص اپنے معمول کے مطابق اس دن بھی روزہ رکھ سکتا ہے (مثلاً ایک آدمی کا معمول ہے کہ وہ ہر جمعرات یا پیر کو روزہ رکھتا ہے تو اگر ۲۹، ۳۰ شعبان کو جمعرات یا پیر پڑ جائے تو اس آدمی کو اس دن روزہ رکھنے کی اجازت ہے)۔

ــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۹۰) عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ فَقَدْ عَصَىٰ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔۔۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ: ۔ جس آدمی نے شک والے دن کا روزہ رکھا اس نے پیغمبر خدا ابو القاسم صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

(سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) "شک والے دن" سے مراد وہ دن ہے جس کے بارے میں شک ہو کہ یہ شاید رمضان کا دن ہو، مثلاً ۲۹ شعبان کو مطلع پر ابر یا غبار ہوا اور چاند نظر نہ آئے، تو اگلے دن کے بارے میں شک ہوتا ہے کہ شاید آج چاند ہو چکا ہو اور غبار یا ابر کی وجہ سے نظر نہ آیا ہو اور اس لحاظ سے کل رمضان کا دن ہو ۔۔۔ تو شریعت میں اس شک اور وہم کا اعتبار نہیں ہے اور اس کی بنا پر اس دن روزہ رکھنے سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور جیسا کہ اوپر درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہو چکا، ایسی صورت میں شعبان کے ۳۰ دن پورے کرنے کا حکم دیا ہے۔

سحور اور افطار کے بارے میں ہدایات: ۔۔۔

(۹۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً ۔۔۔ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ۔۔۔ سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم) ۔۔۔

(تشریح) سحری میں برکت کا ایک ظاہری اور عمومی پہلو تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے روزہ دار کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور روزہ رکھنا زیادہ ضعف کا باعث اور زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ اور دوسرا ایمانی اور دینی پہلو یہ ہے کہ اگر سحری کھانے کا رواج نہ رہے یا اُمت کے اکابر اور خواص سحری نہ کھائیں تو اس کا خطرہ ہے کہ عوام اسی کو شریعت کا حکم یا کم از کم اولیٰ و افضل سمجھنے لگیں اور اس طرح شریعت کے مقررہ حدود میں فرق پڑ جائے۔ اگلی امتوں میں اسی طرح تحریفات ہوئی ہیں۔ تو سحری کی ایک برکت اور اس کا ایک بڑا دینی فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ اس قسم کی تحریفات سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اور اس لئے وہ اللہ کو محبوب اور اس کی رضا و رحمت کا باعث ہے ــــــ مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ ــــــ

اَلسَّحُوْرُ بَرَكَةٌ فَلَا	سحری میں برکت ہے اسے ہرگز نہ چھوڑو،
تَدَعُوْهُ وَلَوْ اَنْ يَّجْرَعَ	اگر کچھ نہیں تو اس وقت پانی کا ایک
اَحَدُكُمْ جُرْعَةً مِّنْ مَّاءٍ	گھونٹ ہی پی لیا جائے کیونکہ سحری
فَاِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ	کھانے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت
يُصَلُّوْنَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ	فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لئے
	دعائے خیر کرتے ہیں

(۹۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتَابِ اَكْلَةُ السَّحَرِ ــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے ــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کے ہاں روزوں کے لئے سحری نہیں ہے اور ہمارے ہاں سحری کھانے کا حکم ہے، اس لئے اس فرق اور امتیاز کو عملاً بھی قائم رکھنا چاہئے اور اللہ کی اس نعمت کا کہ اس نے ہم کو یہ سہولت بخشی، شکر ادا کرنا چاہئے۔

افطار میں تعجیل اور سحری میں تاخیر کا حکم:

(۹۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا ——— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزہ کے افطار میں جلدی کرے (یعنی غروب آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے)۔

——— (جامع ترمذی)

(۹۴) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ ———

——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جب تک میری امت کے لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے وہ اچھے حال میں رہیں گے ——— صحیح بخاری وصحیح مسلم

(تشریح) اسی مضمون کی حدیث مسند احمد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس میں "مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ" کے آگے "وَاَخَّرُوا السُّحُوْرَ" بھی ہے (یعنی اس اُمت کے حالات اُس وقت تک اچھے رہیں گے جب تک کہ افطار میں

تاخیر نہ کرنا بلکہ جلدی کرنا، اور سحری میں جلدی نہ کرنا بلکہ تاخیر کرنا اس کا طریقہ اور طرزِ عمل رہے گا۔
اس کا راز یہ ہے کہ افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا شریعت کا حکم اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے اور اس میں عام بندگانِ خدا کے لئے سہولت اور آسانی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نگاہِ کرم کا ایک مستقل وسیلہ ہے اس لئے امت جب تک اس پر عامل رہے گی وہ اللہ کی نظرِ کرم کی مستحق رہے گی اور اس کے حالات اچھے رہیں گے، اور اس کے برعکس افطار میں تاخیر اور سحری میں جلدی کرنے میں چونکہ اللہ کے تمام بندوں کے لئے مشقت ہے اور یہ ایک طرح کی بدعت اور یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے اس لئے وہ اس امت کے لئے بجائے رضا اور رحمت کے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے، اس واسطے جب امت اس طریقے کو اپنائے گی تو اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم سے محروم ہو گی اور اس کے حالات بگڑیں گے۔ افطار میں جلدی کا مطلب یہ ہے کہ جب آفتاب غروب ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر تاخیر نہ کی جائے اور اسی طرح سحری میں تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ صبحِ صادق سے بہت پہلے سحری نہ کھالی جائے بلکہ جب صبحِ صادق کا وقت قریب ہو تو اس وقت کھایا پیا جائے۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور دستور تھا۔

(۹۵) عَنْ اَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ تَسَحَّرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالسَّحُوْرِ قَالَ قَدْرُ خَمْسِيْنَ اٰيَةً ——— رواه البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی پھر (جلد ہی) آپ نمازِ فجر کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ:۔ سحری کھانے اور فجر کی اذان کے درمیان کتنا فصل رہا ہوگا؟

انھوں نے فرمایا:۔ پچاس آیتوں کی تلاوت کے بعد ۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) صحتِ مخارج اور قواعد قرأت کے لحاظ کے ساتھ پچاس آیات کی تلاوت میں پانچ منٹ سے بھی کم وقت صرف ہوتا ہے۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سحری اور اذانِ فجر کے درمیان صرف چار پانچ منٹ کا فصل تھا۔

صومِ وصال کی ممانعت:۔۔۔۔۔

"صوم وصال" یہ ہے کہ بغیر افطار اور سحری کے مسلسل روزے رکھے جائیں اور دونوں کی راتیں بھی بلا کھائے پئے گزریں، چونکہ اس طرح کے روزے سخت مشقت اور ضعف کا باعث ہوتے ہیں، اور اس کا قوی خطرہ ہوتا ہے کہ آدمی اتنا کمزور ہو جائے کہ دوسرے فرائض اور دوسری ذمہ داریوں کو ادا نہ کر سکے، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس طرح روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے، لیکن خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حال چونکہ یہ تھا کہ اس طرح روزے رکھنے سے آپ کی صحت اور توانائی میں کوئی خاص فرق نہیں آتا تھا اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کی غیر مادی غذا اور روحانی قوت ملتی رہتی تھی اس لئے آپ خود ایسے روزے رکھتے تھے۔

(۹۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِنَّكَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَیُّكُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ ۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے صوم وصال سے لوگوں کو منع فرمایا تو ایک صحابی نے آپ سے عرض کیا کہ: حضرتؐ! آپ خود تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم میں سے کون میری طرح ہے (یعنی اس بارے میں میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص معاملہ ہے جو دوسروں کے ساتھ نہیں ہے اور وہ یہ ہے) میری رات اس طرح گزرتی ہے کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے (یعنی مجھے عالم غیب سے غذا ملتی ہے اس لئے اس معاملہ میں اپنے کو مجھ پر قیاس نہ کرو)۔

(صحیح بخاری وسلم)

(تشریح) اس مضمون کی حدیثیں الفاظ کے خفیف فرق کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت انسؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی مروی ہیں۔ ان تمام روایات سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس ممانعت کا مقصد اور منشا یہی تھا کہ اللہ کے بندے مشقت اور تکلیف میں مبتلا نہ ہوں اور ان کی صحتوں کو نقصان نہ پہونچے، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تو یہ بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ رَحْمَةً لَهُمْ۔ (بخاری ومسلم)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترحم اور شفقت کی بنا پر صوم وصال سے منع فرمایا ہے۔

اور آگے درج ہونے والی حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث سے معلوم ہوگا کہ آپ نے صوم وصال کا شوق رکھنے والوں کو سحر تک کے وصال کی اجازت بھی دے دی تھی۔

(۹۷) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُوَاصِلُوا فَأَيُّكُمْ أَرَادَ أَنْ يُوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ قَالُوا فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي أَبِيتُ لِي مُطْعِمٌ يُطْعِمُنِي وَسَاقٍ يَسْقِينِي۔ رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ۔ تم لوگ صوم وصال نہ رکھو اور جو کوئی (اپنے شوق اور دل کے داعیہ اور جذبہ کی بنا پر) صوم وصال رکھنا ہی چاہے تو وہ بس سحر تک رکھے (یعنی سحر سے سحر تک قریباً ۲۴ گھنٹے کا)۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ:۔ آپ خود تو صوم وصال رکھتے ہیں؟۔ آپؐ نے فرمایا کہ:۔ (اس معاملے میں) میرا حال تمہارا سا نہیں ہے، میں اس طرح رات گزارتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) ان حدیثوں میں صوم وصال کی راتوں میں اللہ تعالیٰ کے کھلانے اور پلانے کا جو ذکر ہے اس کی کوئی وضاحت اور خاص صورت احادیث سے معلوم نہیں ہوتی، بعض حضرات نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ آپؐ کو صوم وصال میں خاص کرامات کے اوقات میں اللہ کا جو خاص الخاص قرب حاصل ہوتا تھا اس سے آپؐ کی رُوح اور قلب کو وہ طاقت اور توانائی ملتی تھی جو کھانے پینے کے قائم مقام ہو جاتی تھی، اس کی تعبیر رُوحانی غذا سے بھی کی جا سکتی ہے ——— اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ صوم وصال کی راتوں میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنّت اور عالم غیب کے ماکولات ومشروبات کھلائے پلائے جاتے تھے ——— لیکن یہ کھانا پینا اس عالم میں نہیں ہوتا تھا، اُس وقت آپ کسی دوسرے عالم میں ہوتے تھے۔ ہم جیسے عوام خواب کے کھانے پینے میں غور کر کے اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

افطار کے لئے کیا چیز بہتر ہے؟ ———

(۹۸) عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ صَائِمًا فَلْيُفْطِرْ عَلَى التَّمْرِ فَاِنْ لَّمْ يَجِدِ التَّمْرَ فَعَلَى الْمَاءِ

فَاِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ ــــ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والدارمی ــــ

(ترجمہ) حضرت سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے، اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے، اس لئے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے۔

ــــ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) اہلِ عرب خاص طور سے اہلِ مدینہ کے لئے کھجور بہترین غذا تھی اور سہل الحصول اور ارزاں بھی تھی کہ غربا اور فقراء بھی اس کو کھاتے تھے، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے افطار کی ترغیب دی اور جس کو بروقت کھجور بھی نہ ملے اُس کو پانی سے افطار کی ترغیب دی، اور اس کی یہ مبارک خصوصیت بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو طہور قرار دیا ہے۔ اس سے افطار کرنے میں ظاہر و باطن کی طہارت کی نیک فالی بھی ہے۔

(۹۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ یُّصَلِّیَ عَلٰی رُطَبَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَیْرَاتٌ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تُمَیْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ ــــ رواہ الترمذی وابوداؤد

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ اگر تر کھجوریں بروقت موجود نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے ــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

افطار کی دُعا:ــــ

(۱۰۰) عَنْ مُعَاذِ بْنِ زُھْرَۃَ اَنَّہٗ بَلَغَہٗ اَنَّ النَّبِیَّ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ اَللّٰھُمَّ

لَكَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ ——— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) معاذ بن زہرہ تابعی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے : — اَللّٰھُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ (اے اللہ! میں نے تیرے ہی واسطے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا ——— (سنن ابی داؤد)

(۱۰۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰہُ ———

——— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے : — پیاس چلی گئی ، اور رگیں (جو سوکھ گئی تھیں وہ) تر ہوگئیں ، اور خدا نے چاہا تو اجر و ثواب قائم ہوگیا

——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یعنی پیاس اور خشکی کی جو تکلیف ہم نے کچھ دیر اٹھائی وہ تو افطار کرتے ہی ختم ہوگئی ، اب نہ پیاس باقی ہے اور نہ رگوں میں خشکی ، اور انشاءاللہ آخرت کا نہ ختم ہونے والا ثواب ثابت و قائم ہوگیا ——— یہ اللہ کے حضور میں آپ کا شکر بھی ہے اور دوسروں کو تعلیم و تلقین بھی کہ روزہ داروں کا احساس اور اذعان یہ ہونا چاہئے ——— مندرجۂ بالا دونوں دعاؤں کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ افطار کے بعد یہ کلمات کہتے تھے ۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت دعا

کرتے تھے:۔ یَاوَاسِعَ الْفَضْلِ اِغْفِرْلِیْ (اے وسیع فضل وکرم والے مالک! میری مغفرت فرما)۔

روزہ افطار کرانے کا ثواب :۔

(۱۰۲) عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْجَھَّزَ غَازِیًا فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِہٖ ۔۔۔۔۔۔

۔۔۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان ورواہ محی السنۃ فی شرح السنۃ

(ترجمہ) حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا، یا کسی مجاہد کو جہاد کا سامان دیا (مثلاً اسلحہ وغیرہ) تو اس کو روزہ دار اور مجاہد کے مثل ہی ثواب ملے گا۔

۔۔۔۔۔۔ (شعب الایمان للبیہقی وشرح السنۃ للبغوی)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قوانین میں سے یہ بھی ایک قانون ہے کہ کسی نیک عمل کی ترغیب دینے والے اور اس میں مدد دینے والے کو بھی اس عمل کے کرنے والے کا سا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ جو نا حقیقت شناس اللہ تعالیٰ کی شانِ کرم سے آشنا نہیں ہیں اُنہی کو اس طرح کی بشارتوں میں شکوک وشبہات ہوتے ہیں ۔۔۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ ۔

مسافرت میں روزہ :۔

قرآن مجید سورۂ بقرہ میں جس جگہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان کیا گیا ہے وہیں مریضوں اور مسافروں کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، اور حکم دیا گیا ہے کہ وہ سفر اور بیماری کے بعد اپنے روزے پورے کریں اور وہیں بتادیا گیا ہے کہ یہ اجازت اور رخصت

بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے دی گئی ہے۔ ارشاد ہے :—

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ	اور جو تم میں سے رمضان کا مہینہ پاوے تو
فَلْيَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا	وہ اُس پورے مہینے کے روزے رکھے، اور
اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ	جو مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس کے ذمہ
اَيَّامٍ اُخَرَ ط يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ	دوسرے دنوں میں رمضان کے دنوں کی
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ	گنتی پوری کرنی ہے۔ اللہ کو تمھارے لئے
الْعُسْرَ —	سہولت اور آسانی منظور ہے، وہ تمھارے
(البقرہ ۔ ع ۔ ۲۳)	واسطے دشواری نہیں چاہتا۔

اس آیت سے خود معلوم ہوگیا کہ یہ رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے اور تنگی اور دشواری سے ان کو بچانے کے لئے دی گئی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص سفر میں ہونے کے باوجود روزے میں اپنے لئے کوئی خاص تکلیف اور دشواری محسوس نہ کرے تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے اور چاہے تو رخصت پر عمل کر سکتا ہے۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل چونکہ اُمت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، اس لئے آپؐ نے کبھی سفر میں روزے رکھے اور کبھی قضا کئے تاکہ امتی اپنے حالات کے مطابق جس طریقے پر چاہیں عمل کر سکیں —

اس سلسلے کے آپؐ کے ارشادات اور طرزِ عمل سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے سے اگر دوسرے ضروری کاموں کا حرج اور نقصان ہوتا ہو تو روزہ قضا کرنا بہتر ہے اور اگر ایسی بات نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا بہتر ہے۔

(۱۰۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصُوْمُ فِي السَّفَرِ — وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ — فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ — رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حمزہ بن عمرو اسلمی نے ——— جو بہت روزے رکھا کرتے تھے ——— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں سفر میں روزے رکھ لیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا کہ: چاہو تو رکھو اور چاہو تو نہ رکھو۔

——— (صحیح بخاری و مسلم)

(۱۰۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ اِلٰی مَکَّۃَ فَصَامَ حَتّٰی بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَہٗ اِلٰی یَدِہٖ لِیَرَاہُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰی قَدِمَ مَکَّۃَ وَذَالِکَ فِیْ رَمَضَانَ ——— فَکَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ اَفْطَرَ۔

——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپؐ برابر روزے رکھتے رہے، یہاں تک کہ آپ مقام عسفان تک پہونچ گئے (وہاں سے آپؐ نے روزے رکھنے چھوڑ دیئے، اور سب پر یہ بات واضح کر دینے کے لئے) آپؐ نے پانی منگوایا، پھر آپؐ نے اُس پانی کو ہاتھ میں لیکر اوپر اُٹھایا، تاکہ سب لوگ دیکھ لیں (اس کے بعد آپؐ نے اس کو پیا) پھر مکہ پہونچنے تک آپ نے روزے نہیں رکھے، اور یہ سب ماہِ رمضان میں پیش آیا ——— تو ابن عباسؓ (اسی بنا پر) کہا کرتے تھے کہ:— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزے رکھے بھی ہیں اور قضا بھی کئے ہیں، تو (گنجائش ہے) کہ جس کا جی چاہے سفر میں روزے رکھے اور جس کا جی چاہے قضا کرے۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں مکہ کے جس سفر کا ذکر ہے یہ فتح مکہ والا سفر تھا جو رمضان ۸ھ میں ہوا تھا، اس میں آپ شروع میں روزے رکھتے رہے جب مقام عُسفان پہ پہونچے (جو مکہ معظمہ سے قریباً ۳۵+۳۶ میل پہلے ایک چشمہ پڑتا تھا) اور وہاں سے مکہ صرف دو منزل رہ گیا، اور اس کا امکان پیدا ہو گیا کہ قریبی وقت میں کوئی مزاحمت یا معرکہ پیش آجائے تو آپؐ نے مناسب سمجھا کہ روزے نہ رکھے جائیں اس لئے آپؐ نے روزہ قضا کر دیا، اور سب کو دکھا کے پانی پیا تاکہ کسی کے لئے روزہ قضا کرنا گراں نہ ہو ——— رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے معلوم ہوا کہ جب تک روزہ قضا کرنے میں کوئی ایسی مصلحت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے، اسی لئے آپؐ نے عسفان تک برابر روزے رکھے، اگر بغیر کسی خاص مصلحت کے بھی سفر میں روزہ قضا کرنا ہی افضل ہوتا، تو آپؐ شروع سفر ہی سے قضا کرتے۔

اسی واقعہ کے بارے میں حضرت جابرؓ کی بھی ایک روایت صحیح مسلم میں ہے، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ بعض لوگوں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس طرح بالاعلان روزہ قضا کرنے اور سب کو دکھا کر پانی پینے کے بعد بھی روزے جاری رکھے جب رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات آئی تو آپ نے فرمایا کہ: "یہ لوگ خطاکار اور گنہگار ہیں" (کیونکہ انھوں نے منشاءِ نبوی کے ظاہر ہونے کے بعد اس کی خلاف ورزی کی) اگرچہ نادانستہ اور غلط فہمی سے کی لیکن "حسنات الابرار سیّاٰت المقربین"۔

(۱۰۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسِتَّ عَشَرَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ اَفْطَرَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَی الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَی الصَّائِمِ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جہاد کے لئے چلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سولھویں رمضان کو۔ تو ہم میں سے بعض نے روزے رکھے اور بعض نے رخصت سفر کی بنا پر قضا کئے، تو نہ تو روزے رکھنے والوں نے قضا کرنے والوں پر اعتراض کیا اور نہ قضا کرنے والوں نے روزے رکھنے والوں پر اعتراض کیا (یعنی ہر ایک نے دوسرے کے طرز عمل کو جائز اور شریعت کے مطابق سمجھا)

(صحیح مسلم)

(۱۰۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَ مِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصَّوَّامُوْنَ وَ قَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوْا الْاَبْنِيَةَ وَسَقَوُا الرِّكَابَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو ہم میں سے بعضے روزے رکھتے تھے اور بعضے روزے قضا کرتے تھے تو ایک دن جبکہ سخت گرمی تھی ہم ایک منزل پر اترے، تو روزے رکھنے والے تو گر گئے اور پڑ گئے اور جو روزے قضا کرنے والے تھے وہ اٹھے، انھوں نے سب کے لئے خیمے لگائے اور سب کی سواریوں کو (یعنی سواری کے اونٹوں کو) پانی پلایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- آج روزے قضا کرنے والے ثواب مار لے گئے۔ (یعنی انھوں نے ثواب زیادہ کما لیا) ـــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۰۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَرَاٰى زِحَامًا وَ رَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ

عَلَیۡہِ فَقَالَ مَا ھٰذَا؟ قَالُوْا صَائِمٌ فَقَالَ لَیۡسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِی السَّفَرِ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے۔ آپ نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی اور ایک آدمی کو دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ:۔ کیا معاملہ ہے؟۔ لوگوں نے عرض کیا کہ:۔ یہ صاحب روزہ دار ہیں (ان کی حالت غیر ہو رہی ہے اسلئے یہ سایہ کیا جا رہا ہے اور لوگ جمع ہو گئے ہیں) آپ نے فرمایا:۔ سفر کی حالت میں یہ روزہ تو کوئی نیکی کا کام نہیں ہے۔

ــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) آپ کا مطلب یہ تھا کہ جب سفر میں اللہ تعالیٰ نے روزہ قضا کرنے کی رخصت اور اجازت دی ہے اور میں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں تو پھر مسلمانوں میں سے کسی کا ایسے حال میں روزہ رکھنا کہ خود بھی گر جائیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی دیکھ بھال میں لگ جائیں کوئی نیکی کی بات نہیں ہے، ایسی حالت میں تو رخصت پر عمل کر کے روزہ قضا کرنا ضروری ہے اور اسی میں اللہ کی رضا ہے۔ ؎

گر طمع خواہد زمن سلطانِ دیں ❊ خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

فرض روزوں کی قضا:ــــــــ

(۱۰۸) عَنْ مُعَاذَۃَ الْعَدَوِیَّۃِ اَنَّھَا قَالَتْ لِعَائِشَۃَ مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِی الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِی الصَّلٰوۃَ قَالَتْ عَائِشَۃُ کَانَ یُصِیۡبُنَا ذَالِکَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلٰوۃِ ـــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) معاذہ عدویہ (جو ایک تابعی خاتون ہیں) وہ بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ :- یہ کیا بات ہے کہ ایام حیض میں جو روزے قضا ہوتے ہیں اُن کی تو قضا کی جاتی ہے، اور جو نمازیں قضا ہوتی ہیں ان کی قضا نہیں پڑھی جاتی ؟ - اُم المومنین نے فرمایا کہ (بس اللہ و رسول کا حکم ہے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب ہم اس میں مبتلا ہوتے تھے (اور اس کی وجہ سے ان دنوں میں روزہ نماز کچھ نہیں کر سکتے تھے) تو ہم کو اُن دنوں کے قضا شدہ روزے رکھنے کا تو حکم دیا جاتا تھا اور قضا نمازیں پڑھنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا ——————— (صحیح مسلم)

نفس کی خواہش سے بلا عُذرِ شرعی فرض روزہ توڑنے کا کفّارہ

(۱۰۹) عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْتُ قَالَ وَمَا لَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلٰى اِمْرَأَتِيْ وَاَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَجِدُ اِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا ــــ قَالَ اِجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰى ذَالِكَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمْرٌ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ قَالَ اَيْنَ

أَيْنَ السَّائِلُ قَالَ أَنَا قَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ فَقَالَ الرَّجُلُ أَعَلٰى أَفْقَرَ مِنِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَاللّٰهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا (يُرِيْدُ الْحَرَّتَيْنِ) أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ أَنْيَابُهٗ ثُمَّ قَالَ أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جبکہ ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی آپؐ کے پاس آیا اور اُس نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! میں تو ہلاک ہو گیا (یعنی میں ایک ایسا کام کر بیٹھا ہوں جس نے مجھے ہلاک و برباد کر دیا ہے)۔ آپؐ نے فرمایا:۔ کیا ہو گیا؟۔ اُس آدمی نے کہا میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی (دوسری روایت میں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے)۔ آپ نے فرمایا:۔ تو کیا تمہارے پاس اور تمہاری ملکیت میں کوئی غلام ہے جس کو تم اس غلطی کے کفارہ میں آزاد کر سکو؟۔ اُس آدمی نے کہا کہ نہیں! ۔ آپؐ نے فرمایا:۔ تو پھر کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھو؟۔ اس نے عرض کیا کہ:۔ یہ بھی میرے بس کی بات نہیں!۔ آپؐ نے فرمایا:۔ تو کیا تمہارے پاس اتنا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکو؟۔ اس نے عرض کیا کہ:۔ مجھے اس کی بھی مقدرت نہیں ــــــ آپؐ نے فرمایا تو بیٹھے رہو (شاید اللہ تعالیٰ کوئی سبیل تمہارے لئے پیدا کر دے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ):۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی وہیں تشریف فرما رہے اور ہم لوگ بھی ابھی وہیں حاضر تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوروں کا بہت بڑا بورا آیا، آپؐ نے پکارا کہ:۔ مسئلہ پوچھنے والا وہ آدمی کدھر ہے؟ اُس آدمی نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ:۔ اس بورے کو لے لو اور اپنی طرف سے صدقہ کر دو۔ اُس نے

عرض کیا کہ۔ یا رسول اللہ! کیا ایسے محتاجوں پر صدقہ کروں جو مجھ سے زیادہ حاجتمند ہوں؟
خدا کی قسم! مدینہ کی دونوں طرف کی پتھریلی زمین کے درمیان (یعنی مدینہ کی پوری بستی میں)
کسی گھر کے لوگ بھی میرے گھر والوں سے زیادہ حاجت مند نہیں ہیں (اُس کی اس بات پر)
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو (خلافِ عادت) ایسی ہنسی آئی کہ آپ کے دائیں بائیں
کنارے والے دانت (کچلیاں) بھی ظاہر ہو گئیں (حالانکہ عادتِ مبارکہ صرف تبسم کی تھی)
پھر آپ نے اس آدمی سے فرمایا:۔ اچھا! یہ کھجوریں اپنے اہل وعیال ہی کو کھلا دو۔
(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی رمضان کے روزہ میں نفس کی خواہش سے ایسی غلطی کر بیٹھے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرنے کی مقدرت ہو تو غلام آزاد کرے، اگر اس کی مقدرت نہ ہو تو متواتر دو مہینے کے روزے رکھے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ـــــ جمہور ائمہ وفقہاء کا مسلک بھی یہی ہے، البتہ اس میں ائمہ کی رائے میں اختلاف ہو گیا ہے کہ یہ کفارہ کیا صرف اسی صورت میں واجب ہوگا جبکہ کسی نے رمضان کے روزہ میں جماع کیا ہو، یا اس صورت میں بھی واجب ہوگا جب کسی نے دانستہ کچھ کھا پی کے روزہ توڑ ڈالا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ کفارہ صرف جماع والی صورت کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ جماع ہی کا ہے ـــــ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ کفارہ دراصل رمضان کے روزہ کی بے حرمتی کا ہے اور اس جرم کی سزا ہے کہ اس نے اپنے نفس کی خواہش کے مقابلہ میں رمضان کے روزہ کا احترام نہیں کیا اور اس کو توڑ ڈالا، اور یہ جرم دونوں صورتوں میں یکساں ہے اس لئے اگر کسی نے دانستہ کھا پی کے روزہ توڑا تو اس پر بھی یہ کفارہ واجب ہوگا۔
اس واقعہ میں ایک عجیب وغریب بات یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

نے اُن صاحب واقعہ صحابی کو کھجوروں کا جو بورا اس لئے عنایت فرمایا تھا کہ مساکین پر صدقہ کرکے وہ اپنا کفارہ ادا کریں، ان کے اس کہنے پر کہ مدینہ بھر میں مجھ سے اور میرے اہل و عیال سے زیادہ حاجت مند کوئی بھی نہیں ہے۔ آپؐ نے اس کے بارے میں ان کو اجازت دے دی کہ اس کو اپنے ہی کام میں لے آئیں ——— اس کے بارے میں جمہور ائمہ کی رائے یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرح اُن کا کفارہ ادا ہو گیا، بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی وقتی ضرورت اور حاجت مندی کا لحاظ کرکے اُن کھجوروں کو اپنے خرچ میں لے آنے کی ان کو اُس وقت اجازت دے دی اور کفّارہ ان کے ذمہ واجب رہا ——— اور مسئلہ یہی ہے کہ اگر رمضان کا روزہ کوئی ایسا آدمی اس طرح توڑ ڈالے جو نہ تو فی الوقت غلام آزاد کر سکتا ہو، نہ دو مہینے متواتر روزے رکھ سکتا ہو اور نہ افلاس و غربت کی وجہ سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہو تو کفّارہ اس کے ذمہ واجب رہے گا، وہ اس کی ادائیگی کی نیت رکھے اور جب کبھی اس کو استطاعت ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ——— اور امام زُہری وغیرہ بعض ائمہ کی رائے یہ ہے کہ عام شرعی قانون اور مسئلہ تو یہی ہے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کے ساتھ ایک طرح کا استثنائی معاملہ کیا اور ان کا کفارہ اسی طرح ادا ہو گیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں کسی قدر اختصار کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ بعض علمائے کبار نے (جن کو ہمارے اساتذہ اور شیوخ نے دیکھا ہے) ابو ہریرہؓ والی اس حدیث کی شرح دو جلدوں میں لکھی ہے اور دکھایا ہے کہ اس حدیث سے ایک ہزار علمی فائدے اور نکتے پیدا ہوتے ہیں۔

کن چیزوں سے روزہ خراب نہیں ہوتا: ———

بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ ان سے روزہ ٹوٹ

جاتا ہوگا، یا اس میں کچھ خرابی آجاتی ہوگی۔ لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات یا عمل سے واضح فرمادیا ہے کہ ان چیزوں سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی — اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے :—

(۱۱۰) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِیَ وَھُوَ صَائِمٌ فَاَکَلَ اَوْشَرِبَ فَلْیُتِمَّ صَوْمَہٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَہُ اللّٰہُ وَسَقَاہُ —

———— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے روزے کی حالت میں بھول کر کچھ کھالیا یا پی لیا، تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹا، اس لئے وہ قاعدہ کے مطابق اپنا روزہ پورا کرے، کیونکہ اس کو اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے (اس نے خود ارادہ کرکے روزہ نہیں توڑا ہے، اس لئے اس کا روزہ علیٰ حالہ ہے)

———— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۱۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَا یُفْطِرْنَ الصَّائِمَ اَلْحِجَامَۃُ وَالْقَیْئُ وَالْاِحْتِلَامُ ———— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- ان تین چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ———— پچھنے لگوانا، قے ہوجانا اور احتلام ———— (جامع ترمذی)

(۱۱۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُبَاشَرَۃِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَہٗ وَاَتَاہُ اٰخَرُ فَسَأَلَہٗ فَنَھَاہُ فَاِذَا الَّذِیْ

کسی سفر کا ہے، ہوسکتا ہے کہ فتح مکہ والے سفر ہی کا ہو، جو رمضان مبارک میں ہوا تھا، اور آپ نے مقام عُسفان پہونچنے تک برابر روزے رکھے تھے۔

(۱۱۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ هَشَشْتُ فَقَبَّلْتُ وَاَنَا صَائِمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَنَعْتُ الْيَوْمَ اَمْرًا عَظِيْمًا قَبَّلْتُ وَاَنَا صَائِمٌ قَالَ اَرَاَيْتَ لَوْ مَضْمَضْتَ مِنَ الْمَاءِ وَاَنْتَ صَائِمٌ قُلْتُ لَا بَاْسَ قَالَ فَمَهْ! ———— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ (روزے کی حالت میں) میرے اندر سخت تقاضا اور جذبہ پیدا ہوا، اور میں نے (اپنی بیوی کا) بوسہ لے لیا۔ اس کے بعد میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یارسول اللہ آج مجھ سے بہت بڑا قصور ہوگیا، میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا؟۔ آپ نے فرمایا:۔ بتاؤ اگر تم پانی منھ میں لے کر کلی کرو (تو کیا اس سے تمہارے روزہ میں خرابی آئے گی؟) میں نے عرض کیا:۔ اس سے تو کوئی خرابی نہ آئے گی! ۔ آپ نے فرمایا۔ تو پھر (خالی بوسہ لینے سے) کیا ہوا ———— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے صرف یہ جزئی مسئلہ ہی نہیں معلوم ہوا کہ خالی بوسہ لینے سے روزہ میں خرابی نہیں آتی، بلکہ ایک اصول اور قاعدہ کلیہ معلوم ہوگیا، اور وہ یہ کہ دراصل روزے کو توڑنے والی چیز کھانا پینا اور جماع ہے، اور جس طرح کھانے پینے کی کسی چیز کا صرف منھ میں رکھنا (جو کھانے پینے کا گویا مقدمہ اور دیباچہ ہوتا ہے) روزہ کو نہیں توڑتا، اسی طرح بوس وکنار وغیرہ (جو جماع کے صرف مقدمات ہوتے ہیں) روزے کو خراب نہیں کرتے ———— ہاں جس آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ وہ خواہش اور

تقاضے سے مغلوب ہو کر کہیں جماع میں مبتلا نہ ہو جائے اس کو اس قسم کی باتوں سے روزے میں پورا پرہیز کرنا چاہئے ——— جیسا کہ اوپر کی بعض حدیثوں سے معلوم ہو چکا۔

نفلی روزے: ———

نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزوں کا ایک نصاب اور کورس تو اسلام کا رکن اور گویا شرط لازم قرار دی گئی ہے جس کے بغیر کسی مسلمان کی زندگی اسلامی زندگی نہیں بن سکتی، اور وہ رمضان کے پورے مہینے کے روزے ہیں۔ اس کے علاوہ شریعتِ اسلام میں مزید روحانی تربیت اور تزکیہ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا خاص تقرب حاصل کرنے کے لئے دوسری نفلی عبادات کی طرح نفلی روزوں کی بھی تعلیم دی گئی ہے، اور بعض خاص دنوں اور تاریخوں کی خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان فرما کے ان کے روزوں کی خصوصی ترغیب دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زبانی تعلیم و تلقین کے علاوہ اپنے عمل سے بھی اُمت کو ان نفلی روزوں کی ترغیب دیتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ آپؐ اس کی بھی پوری احتیاط فرماتے تھے کہ لوگ نفلی روزوں میں حدِ اعتدال سے آگے نہ بڑھیں، اور ان کا اہتمام اور پابندی فرض روزوں کی طرح نہ کریں، بلکہ حدود اللہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے فرائض کو فرائض کی طرح ادا کریں اور نوافل کو نوافل کے درجے میں رکھیں۔ ——— اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلے کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے! ———

(۱۱۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ شَيْءٍ زَكٰوةٌ وَزَكٰوةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ۔

——— رواه ابن ماجة

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- ہر چیز کی کوئی زکوٰۃ ہے (جس کے نکالنے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے) اور

جسم کی زکوٰۃ روزے ہیں ——————— (سنن ابن ماجہ)

ماہ شعبان میں نفلی روزوں کی کثرت:——————

(۱۱۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَيْتُهُ فِىْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِىْ شَعْبَانَ ——————

——————رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دستور (نفلی روزوں کے بارے میں) یہ تھا کہ آپ (کبھی کبھی) مسلسل بلاناغہ روزے رکھنے شروع کرتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب ناغہ ہی نہیں کریں گے، اور (کبھی اس کے برعکس ایسا ہوتا کہ) آپ روزے نہ رکھتے اور مسلسل بغیر روزے کے دن گزارتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب آپ بلا روزے کے ہی رہا کریں گے ——————— اور فرماتی ہیں حضرت صدیقہؓ کہ ————— میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں، اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھتے ہوں (اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ شعبان کے (قریباً) پورے مہینے ہی کے روزے رکھتے تھے)۔

——————— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے پہلے جز کا مطلب تو یہ ہے کہ نفلی روزوں کے بارے میں آپ کا کوئی لگا بندھا دستور ومعمول نہیں تھا، بلکہ کبھی آپ مسلسل بلاناغہ روزے رکھتے تھے، اور کبھی

مسلسل بغیر روزے کے رہتے تھے یہ مقصد یہ تھا کہ اُمت کے لئے آپ کی پیروی میں مشکل اور تنگی نہ ہو بلکہ وسعت کا راستہ کھلا رہے، اور ہر شخص اپنے حالات اور اپنی ہمت کے مطابق آپ کے کسی رویہ کی پیروی کر سکے۔ دوسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ آپ پورے اہتمام سے پورے مہینے کے روزے صرف رمضان کے رکھتے تھے (جو اللہ نے فرض کئے ہیں) ہاں شعبان میں دوسرے مہینوں کی بہ نسبت زیادہ روزے رکھتے تھے ——— بلکہ اسی حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ:۔

قریب قریب پورے مہینے شعبان کے روزے رکھتے تھے اور بہت کم دن ناغہ فرماتے تھے۔

ماہِ شعبان میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زیادہ نفلی روزے رکھنے کے کئی سبب اور کئی حکمتیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جن کی طرف بعض حدیثوں میں بھی اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ خود رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:۔ اسی مہینے میں بارگاہِ الٰہی میں بندوں کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال کی پیشی ہو تو میں روزے سے ہوں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ماہِ شعبان میں بہت زیادہ روزے اِس لئے رکھتے تھے کہ پورے سال میں مرنے والوں کی فہرست اسی مہینے میں ملک الموت کے حوالہ کی جاتی ہے، آپ چاہتے تھے کہ جب آپ کی وفات کے بارے میں ملک الموت کو احکام دیئے جا رہے ہوں تو اس وقت آپ روزے سے ہوں۔

اس کے علاوہ رمضان کا قرب اور اس کے خاص انوار و برکات سے مزید مناسبت پیدا کرنے کا شوق اور داعیہ بھی غالباً اس کا سبب اور محرک ہوگا، اور شعبان کے ان روزوں کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل کو فرضوں سے ہوتی ہے، اور اسی طرح رمضان کے بعد شوال میں چھ نفلی روزوں کی تعلیم و ترغیب جو آگے درج ہونے والی حدیث میں آ رہی ہے، اس کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی

جو فرض نمازوں کے بعد والی سُنّتوں اور نفلوں کو فرضوں سے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے:

(۱۱۹) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَہٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ کَانَ کَصِیَامِ الدَّھْرِ ـــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔

ـــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) رمضان کا مہینہ اگر ۲۹ ہی دن کا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ۳۰ روزوں کا ثواب دیتے ہیں اور شوال کے ۶ نفلی روزے شامل کرنے کے بعد روزوں کی تعداد ۳۶ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون "الحسنۃ بعشر امثالھا" (ایک نیکی کا ثواب دس گنا) کے مطابق ۳۶ کا دس گنا ۳۶۰ ہو جاتا ہے اور پورے سال کے دن ۳۶۰ سے کم ہی ہوتے ہیں ـــــــ پس جس نے پورے رمضان مُبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں ۶ نفلی روزے رکھے وہ اس حساب سے ۳۶۰ روزوں کے ثواب کا مستحق ہوگا پس اجر و ثواب کے لحاظ سے یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بندہ سال کے ۳۶۰ دن برابر روزے رکھے۔

ہر مہینہ میں تین نفلی روزے کافی ہیں:

(۱۲۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَبْدَ اللّٰہِ اَلَمْ اُخْبَرْ

أَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ۔ لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَاقْرَءِ الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ قُلْتُ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ قَالَ صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاؤُدَ صِيَامُ يَوْمٍ وَاِفْطَارُ يَوْمٍ وَاقْرَءْ فِيْ كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً وَلَا تَزِدْ عَلٰى ذَالِكَ ــــــــ

ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ :۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے یہ معمول بنا رکھا ہے کہ تم ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نوافل پڑھتے ہو (کیا واقعہ ایسا ہی ہے؟) میں نے عرض کیا کہ :۔ ہاں حضرت! میں ایسا ہی کرتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا :۔ یہ طریقہ چھوڑ دو روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو، اسی طرح رات کو نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے (تمہیں اس کی اجازت نہیں ہے کہ جسم پر حد سے زیادہ بوجھ ڈالو اور اس کے ضروری تقاضے بھی پورے نہ کرو) اسی طرح تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے (کہ تم اس کو سونے اور آرام لینے کا موقع دو) اسی طرح تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے (تم کو جائز نہیں کہ ان کی حق تلفی کر کے اللہ کی عبادت کرو سنو) جو ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے اس نے گویا روزہ رکھا ہی نہیں، ہر مہینے میں تین دن کے نفلی روزے رکھ لینا ہمیشہ روزہ رکھنے کے حکم میں ہے، اس لئے تم ہر مہینے

بس تین روزے رکھا کرو، اور مہینے میں ایک قرآن پاک (تہجد میں) ختم کرلیا کرو۔ (عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ:۔ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں (اس لئے مجھے زیادہ کی اجازت مرحمت فرمائیے)۔ آپ نے فرمایا:۔ تو پھر تم داؤد علیہ السلام کے روزں کا طریقہ اختیار کرلو، اور وہ یہ کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار (یعنی روزہ کا ناغہ) اور تہجد میں سات راتوں میں ایک قرآن ختم کرلیا کرو، اور اس سے زیادہ نہ کرو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ذوقِ عبادت بہت بڑھا ہوا تھا وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر نوافل پڑھتے اور اس میں روزانہ پورا قرآن مجید ختم کرلیتے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کو وہ ہدایت فرمائی جو حدیث میں مذکور ہوئی اور ان کو عبادت میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا اور فرمایا کہ:۔ تم پر اپنے جسم وجان اور اپنے اہلِ تعلق کی بھی ذمہ داریاں ہیں اور ان کی بھی رعایت اور ادائیگی ضروری ہے۔ آپ نے پہلے انھیں مہینے میں تین نفلی روزے رکھنے اور تہجد میں پورے مہینے میں ایک قرآن پڑھنے کیلئے فرمایا، اور جب انھوں نے عرض کیا کہ میں بآسانی اس سے زیادہ کرسکتا ہوں لہٰذا کچھ زیادہ کی مجھے اجازت دے دیجائے۔ تو آپ نے ان کو صومِ داؤدی کی (یعنی ہمیشہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کی) اور ہفتہ میں ایک قرآن مجید رات کے نوافل میں پورا کرلینے کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس سے زیادہ کے لئے منع فرمادیا ــــــــ لیکن اس حدیث ہی سے یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کی ممانعت کا منشاء یہ نہیں تھا کہ زیادہ عبادت کرنا کوئی بُری بات ہے، بلکہ یہ ممانعت بربنائے شفقت تھی (جس طرح چھوٹے بچوں کو زیادہ بوجھ اُٹھانے سے منع کیا جاتا ہے) یہی وجہ ہے کہ ان کے یہ عرض کرنے پر کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ نے ان کو مہینہ میں صرف تین روزوں کے بجائے صومِ داؤدی یعنی ۱۵ دن روزہ اور ۱۵ دن افطار کی اور مہینہ میں قرآن ختم کرنے کے بجائے ہفتہ میں قرآن ختم کرنے کی اجازت دے دی۔ بلکہ ترمذی کی روایت کے مطابق بعد میں

صرف پانچ دن میں قرآن پاک ختم کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی، اور بعض صحابہ کو حضورؐ نے تین دن میں قرآن ختم کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔[1]

(۱۲۱) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَیْفَ تَصُوْمُ؟ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهٖ فَلَمَّا رَاٰى عُمَرُ غَضَبَهٗ قَالَ رَضِیْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ فَجَعَلَ عُمَرُ یُرَدِّدُ هٰذَا الْکَلَامَ حَتّٰى سَکَنَ غَضَبُهٗ فَقَالَ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ مَنْ یَّصُوْمُ الدَّهْرَ کُلَّهٗ قَالَ لَا صَامَ وَلَا اَفْطَرَ اَوْ قَالَ لَمْ یَصُمْ وَلَمْ یُفْطِرْ قَالَ کَیْفَ مَنْ یَّصُوْمُ یَوْمَیْنِ وَیُفْطِرُ یَوْمًا قَالَ وَیُطِیْقُ ذَالِكَ اَحَدٌ؟ قَالَ کَیْفَ مَنْ یَّصُوْمُ یَوْمًا وَّیُفْطِرُ یَوْمًا قَالَ ذَالِكَ صَوْمُ دَاؤُدَ قَالَ کَیْفَ مَنْ یَّصُوْمُ یَوْمًا وَّیُفْطِرُ یَوْمَیْنِ قَالَ وَدِدْتُ اَنِّیْ طُوِّقْتُ ذَالِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِّنْ کُلِّ شَهْرٍ وَّرَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ فَهٰذَا صِیَامُ الدَّهْرِ کُلِّهٖ وَصِیَامُ یَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ یُّکَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِیْ بَعْدَهٗ وَصِیَامُ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ یُّکَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ

---

[1] جمع الفوائد میں مسند احمد اور کبیر طبرانی کے حوالہ سے سعد بن منذر انصاریؓ کو اس کی اجازت مروی ہے۔

(جمع الفوائد ص ۲۶۹ جلد دوم)

قَبْلَهٗ ــــــــــــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے حضورؐ سے پوچھا کہ:۔ آپ روزے کس طرح رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزے رکھنے کے بارے میں آپ کا کیا معمول و دستور ہے؟) اس کے اس سوال سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی (یعنی چہرۂ مبارک پر تکدر اور برہمی کے آثار ظاہر ہوئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (جو حاضر تھے) جب آپ کی ناگواری کی کیفیت کو محسوس کیا تو کہا:۔

رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا	ہم راضی ہیں اللہ کو اپنا رب مان کر
وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا	اور اسلام کو اپنا دین بناکر اور محمد
وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا	علیہ السلام کو نبی مان کر، اللہ کی پناہ
نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ	اس کی ناراضی سے اور اس کے رسول
وَّغَضَبِ رَسُوْلِهٖ۔	کی ناراضی سے۔

حضرت عمرؓ بار بار اپنی یہی بات دُہراتے رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک میں جو ناگواری پیدا ہو گئی تھی اس کا اثر زائل ہو گیا، تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ:۔ یا رسول اللہ! وہ شخص کیسا ہے جو ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے، اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا:۔ اور اس آدمی کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو دو دن روزے رکھے اور ایک دن ناغہ کرے یعنی بغیر روزے کے رہے؟ آپ نے فرمایا:۔ کیا کسی میں اسکی طاقت ہے؟ (یعنی یہ بہت مشکل ہے ہمیشہ روزہ رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے اس لئے اس کا ارادہ نہ کرنا چاہئے) حضرت عمرؓ نے عرض کیا اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے:۔ جو ہمیشہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن ناغہ کرے؟ آپ نے فرمایا:۔ یہ صوم داؤد ہے (یعنی حضرت

داؤد علیہ السلام جن کو اللہ نے غیر معمولی جسمانی قوت بخشی تھی ان کا معمول یہی تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے) حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ :۔ اس آدمی کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن ناغہ کرے ؟ (اور اس طرح اوسطاً ہر مہینے میں دس دن روزہ رکھے) ۔ آپ نے فرمایا کہ :۔ میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے اس کی طاقت عطا فرمائی جائے ــــــــ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ ہر مہینے کے تین نفلی روزے اور رمضان تا رمضان یہ (اجر و ثواب کے لحاظ سے) ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے (لہذا جو صوم دہر کا ثواب حاصل کرنا چاہے وہ اس کو اپنا معمول بنالے) اور یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کے روزے کے بارے میں میں اُمید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے کرم سے کہ وہ صفائی کردے گا اس سے پہلے سال کی اور بعد کے سال کی (یعنی اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی گندگیاں دُھل جائیں گی) ۔ اور یوم عاشوراء (۱۰ محرم) کے روزے کے بارے میں میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ وہ صفائی کردے گا اس سے پہلے سال کی ــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کا اصل مفہوم و مقصد تو ظاہر ہے لیکن چند ضمنی باتیں وضاحت طلب ہیں، انہی کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

حدیث کے بالکل شروع میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ :۔ آپ کس طرح روزے رکھتے ہیں ؟ (یعنی نفلی روزوں کے بارے میں خود آپ کا معمول اور طریقہ کیا ہے) آپ کو اس سوال پر ناراضی اور ناگواری ہوئی ــــــــ یہ ناراضی اور ناگواری ایسی ہی تھی جیسی شفیق اُستاذ اور مُربّی کو کسی شاگرد اور زیر تربیت طالب و مرید کے غلط اور نامناسب سوال سے ہوتی ہے۔ سوال کرنے والے کو اصل بات دریافت کرنی چاہئے تھی یعنی یہ پوچھنا چاہئے تھا کہ میرے لئے نفلی روزوں کے بارے میں کیا طرزِ عمل مناسب ہے ؟۔ اس نے بجائے اس کے حضورؐ کا معمول دریافت کیا تھا۔ حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زندگی کے

بہت سے شعبوں میں اُن بہت سے اسباب کی بِنا پر جو آپ کے منصب نبوت اور مصالحِ اُمّت سے تعلق رکھتے تھے ایسا طرزِ عمل بھی اختیار فرماتے تھے جس کی تقلید ہر ایک کے لئے مناسب نہیں ہے اس لئے سائل کو آپ کا معمول دریافت کرنے کے بجائے اصل مسئلہ دریافت کرنا چاہیئے تھا ــــ استاذ اور مربی کی اس طرح کی ناگواری بھی دراصل تربیت ہی کا ایک جُز ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سوال سے حضورؐ کی ناگواری کو محسوس کرکے کُل مُسلمانوں کی طرف سے عرض کیا :۔ "رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهِ" ــــ اس کے بعد آپ نے نفلی روزوں ہی کے بارے میں صحیح طریقے پر سوالات کئے اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔ جو شخص ہمیشہ بلاناغہ روزہ رکھے اس کے بارے میں آپ نے جو یہ فرمایا کہ :۔ "لَا صَامَ وَلَا اَفْطَرَ" (نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا) اس سے آپ کا مقصد ناپسندیدگی کا اظہار اور مطلب یہ ہے کہ یہ غلط ہے، نہ صوم ہے نہ افطار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات کے جوابات کے بعد آپ نے اپنی طرف سے جو مزید فرمایا اُس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کے باب میں عام مسلمین کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ رمضان کے فرض روزے رکھا کریں، اس کے علاوہ ہر مہینے میں تین نفلی روزے رکھ لیا کریں جو "الحسنة بعشر امثالها" کے حساب سے ثواب میں تیس روزوں کے برابر ہوں گے اور اس طرح ان کو "صومِ دہر" کا ثواب مل جائے گا ــــ مزید نفع مندی اور کمائی کے لئے یومِ عرفہ اور یومِ عاشورا کے دو روزے بھی رکھ لیا کریں۔ حضورؐ نے اُمید ظاہر فرمائی کہ ربِّ کریم کے کرم سے مجھے اُمید ہے کہ یومِ عرفہ کا روزہ ایک سال پہلی اور ایک سال بعد کی خطا کاریوں کا اور یومِ عاشورا کا روزہ پہلے سال کی غلط کاریوں کا کفارہ بن جائے گا۔

واضح رہے کہ عرفہ کے دن جو دراصل حج کا دن ہے روزہ کی یہ فضیلت اور ترغیب غیر حاجیوں کے لئے ہے، حاجیوں کی اس دن کی خاص الخاص اور مقبول ترین عبادت

میدانِ عرفات کا وقوف ہے جس کے لئے ظہر و عصر کی نماز مختصر اور ایک ساتھ پڑھ لینے کا حکم ہے اور ظہر کی سنتیں بھی اُس دن چھوڑ دینے کا حکم ہے، اگر حاجی لوگ اُس دن روزہ رکھیں گے تو ان کے لئے عرفات میں وقوف اور آفتاب غروب ہوتے ہی مزدلفہ کو چل دینا مشکل ہوگا، اس لئے حاجیوں کے لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنا پسندیدہ نہیں ہے (بلکہ ایک حدیث میں ممانعت بھی وارد ہوئی ہے) اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے عمل سے بھی اسی کی تعلیم اُمّت کو دی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے عرفہ کے دن ٹھیک اُس وقت جبکہ آپ میدانِ عرفات میں اپنے اونٹ پر تھے اور وقوف فرما رہے تھے سب کے سامنے دودھ نوش فرمایا تاکہ سب دیکھ لیں کہ آج آپ روزہ سے نہیں ہیں۔

غیر حاجیوں کے لئے یوم عرفہ کا روزہ دراصل اس دن کی ان رحمتوں اور برکتوں میں شریک اور حصّہ دار ہونے ہی کے لئے ہے جو عرفات میں حجاج پر نازل ہوتی ہیں، اور اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ کے جو صاحب ایمان بندے حج میں شریک نہیں ہیں وہ اس پورے دن روزہ رکھ کر اس دن کی خاص الخاص رحمتوں اور برکتوں میں کسی درجے کا حصّہ لے لیں۔ اسی طرح یوم النحر یعنی بقرعید کے دن غیر حاجیوں کو قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا راز بھی یہی ہے، واللہ اعلم۔

یوم عاشوراء کا روزہ نفلی روزوں میں اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہم ہے کہ رمضان مبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے وہی فرض تھا۔ جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور صرف نفلی درجہ رہ گیا۔ اس کے بارے میں احادیث آگے مستقل عنوان کے تحت انشاءاللہ درج ہوں گی۔

مہینہ کے تین روزوں کے بارے میں رسُول اللہؐ کا معمول:۔

(۱۲۲) عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ اَرْبَعٌ لَمْ تَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صِیَامُ عَاشُوْرَاءَ وَالْعَشْرِ وَ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَھْرٍ وَرَکْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ۔

ـــــــــــ رواہ النسائی

(ترجمہ) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ چار چیزیں وہ ہیں جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کبھی نہیں چھوڑتے تھے :- (۱) عاشورہ کا روزہ۔
(۲) عشرۂ ذی الحجہ (یعنی یکم ذی الحجہ سے یوم العرفہ نویں ذی الحجہ تک) کے روزے۔
(۳) ہر مہینے کے تین روزے۔ (۴) اور قبل فجر کی دو رکعتیں۔

ـــــــــــ (سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ چاروں چیزیں اگرچہ فرض یا واجب نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کا اتنا اہتمام اور ایسی پابندی فرماتے تھے کہ کبھی یہ چیزیں ترک نہیں ہوتی تھیں۔

(۱۲۳) عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِیَّةِ اَنَّھَا قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ اَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ مِنْ کُلِّ شَھْرٍ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ لَھَا مِنْ اَیِّ اَیَّامِ الشَّھْرِ کَانَ یَصُوْمُ قَالَتْ لَمْ یَکُنْ یُبَالِیْ مِنْ اَیِّ اَیَّامِ الشَّھْرِ یَصُوْمُ ـــــــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ میں نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا :- کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ تین روزے رکھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا :- ہاں! آپ ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے۔ معاذہ نے پوچھا :- مہینے کے کس حصے میں (اور کن تاریخوں میں) رکھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ اس کی فکر نہیں فرماتے تھے کہ مہینہ کے کس حصے میں رکھیں ـــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض روایات میں ہر مہینے کے شروع میں تین روزے رکھنے کا حضورؐ کا معمول ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض روایات میں مہینہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کا، اور بعض روایات میں ہفتہ کے خاص خاص تین دنوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے جیسا کہ معلوم ہوا ان میں سے کوئی بھی آپ کا دوامی معمول نہیں تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ کو سفر اور اس کے علاوہ بھی دوسری چیزیں بکثرت پیش آتی رہتی تھیں جن کی وجہ سے آپ کے لئے خاص تاریخوں یا دنوں کی پابندی مناسب نہیں تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کا خاص تاریخوں اور خاص دنوں میں ہمیشہ روزے رکھنا اُمّت کے مختلف الحال لوگوں کے لئے باعثِ زحمت ہوتا اور اس سے یہ غلط فہمی بھی ہو سکتی تھی کہ یہ روزے واجبات میں سے ہیں۔ الغرض اس طرح کی مصلحتوں کی وجہ سے آپ خود خاص تاریخوں اور دنوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا، لیکن صحابۂ کرام کو آپ مہینے کے تین دن کے روزوں کے سلسلے میں اکثر ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ) کی ترغیب دیتے تھے جیسا کہ مندرجۂ ذیل حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

ایّامِ بیض کے روزے:

(۱۲۴) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَصُمْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ۔

رواہ الترمذی والنسائی

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ:۔ اے ابوذر! جب تم مہینے کے تین روزے رکھو تو تیرھویں،

چودھویں، پندرھویں کے روزے رکھا کرو ——— (جامع ترمذی، سنن نسائی)

(قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ کو بھی یہی ہدایت فرمائی تھی)۔

(۱۲۵) عَنْ قَتَادَةَ بْنِ مِلْحَانَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَامُرُنَا اَنْ نَصُوْمَ الْبِيْضَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ وَقَالَ هُوَ كَهَيْئَةِ الدَّهْرِ۔

——— رواہ ابوداؤد والنسائی

(ترجمہ) حضرت قتادہ بن ملحان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو حکم فرماتے تھے کہ ہم ایام بیض یعنی مہینہ کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کو روزہ رکھا کریں۔ اور فرماتے تھے کہ مہینے کے ان تین دنوں کے روزے رکھنا اجر و ثواب کے لحاظ سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے ——— (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) یہاں تک جو حدیثیں درج ہوئیں اُن سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ہر مہینے تین نفلی روزے رکھنے والا صاحب ایمان بندہ "الحسنة بعشر امثالها" کے گویا قانون کے حساب سے مہینے کے تیس۳۰ دن یعنی ہمیشہ روزے رکھنے کے ثواب کا مستحق ہوگا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ روزے تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کو رکھے جائیں۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اہم دینی مصالح کی وجہ سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ ان تاریخوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا۔

یومِ عاشورہ کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت :———

اوپر جو حدیثیں ہر مہینہ میں تین۳ دن کے نفلی روزوں کے بارے میں درج ہوئیں اُن میں سے

بھی بعض میں یوم عاشورہ کے روزے کی فضیلت اور اس کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اہتمام و پابندی کا ذکر ضمناً آ چکا ہے۔ ذیل میں چند حدیثیں درج کی جا رہی ہیں جو خاص اسی سے متعلق ہیں، اور جن سے اس دن کی خصوصیت اور تاریخی اہمیت بھی معلوم ہوگی۔

(۱۲۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِىْ تَصُوْمُوْنَهُ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ۔

——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یوم عاشورہ (۱۰ محرم) کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ نے اُن سے دریافت کیا (تمہاری مذہبی روایات میں) یہ کیا خاص دن ہے (اور اس کی کیا خصوصیت اور اہمیت ہے) کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو؟۔ انھوں نے کہا کہ:۔ ہمارے ہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ اور اُن کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا تھا اس لئے ہم بھی (ان کی پیروی میں) اس دن روزہ رکھتے ہیں ———

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ کے پیغمبر موسیٰؑ سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے

اور ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور اُمّت کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔

————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ پہونچ کر ہی عاشورہ کے دن روزہ رکھنا شروع فرمایا۔ حالانکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صریح روایت موجود ہے کہ قریش مکہ میں قبل از اسلام بھی یوم عاشورہ کے روزے کا رواج تھا اور خود رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں یہ روزہ رکھا کرتے تھے پھر جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہاں آکر آپ نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ یوم عاشورہ زمانۂ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بھی بڑا محترم دن تھا اسی دن خانۂ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی کچھ روایات اس دن کے بارے میں اُن تک پہونچی ہوں گی اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ قریش ملّتِ ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے اُن میں آپ اُن سے اتفاق اور اشتراک فرماتے تھے۔ اِسی بنا پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ پس اپنے اس اصول کی بنا پر آپ قریش کے ساتھ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے ————— پھر جب آپ مدینۂ طیبہ تشریف لائے اور یہاں کے یہود کو بھی آپ نے عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا اور اُن سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو اللہ نے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا (اور مسند احمد وغیرہ کی روایت کے مطابق اسی یوم عاشورہ کو حضرت نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی تھی) تو آپ نے اس دن کے

روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا، اور مسلمانوں کو عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں۔ بعض احادیث میں ہے کہ آپ نے اس کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لئے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں رُبیّع بنت مُعوّذ بن عفراءؓ اور سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ کی صبح مدینے کے آس پاس کی اُن بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ رکھیں، اور جنھوں نے کچھ کھا پی لیا ہو وہ بھی دن کے باقی حصّے میں کچھ نہ کھائیں پئیں، بلکہ روزہ داروں کی طرح رہیں ——— ان حدیثوں کی بنا پر بہت سے ائمہ نے یہ سمجھا ہے کہ شروع میں عاشورہ کا روزہ واجب تھا، بعد میں جب رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور اس کی حیثیت ایک نفلی روزے کی رہ گئی جس کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اوپر گزر چکا ہے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ اس کی برکت سے پہلے ایک سال کے گناہوں کی صفائی ہو جائے گی" ——— اور صوم یوم عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہو جانے کے بعد بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی رہا کہ آپ رمضان مُبارک کے فرض روزوں کے علاوہ سب سے زیادہ اہتمام نفلی روزوں میں اسی کا کرتے تھے۔

(۱۲۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرّٰى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلٰى غَيْرِهٖ اِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَا الشَّهْرَ يَعْنِيْ شَهْرَ رَمَضَانَ ——— رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی فضیلت والے دن کے روزے کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر کرتے ہوں، سوائے اس دن یوم عاشورہ کے اور سوائے اس ماہ مُبارک رمضان کے۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے طرزِ عمل سے حضرت ابن عباسؓ نے یہی سمجھا کہ نفلی روزوں میں جس قدر اہتمام آپ یوم عاشورہ کے روزے کا کرتے تھے اتنا کسی دوسرے نفلی روزے کا نہیں کرتے تھے۔

(۱۲۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ يَوْمٌ يُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ قَالَ فَلَمْ يَاْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ میں روزہ رکھنے کو اپنا اصول و معمول بنالیا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ:- یا رسول اللہ! اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (اور یہ گویا ان کا قومی و مذہبی شعار ہے اور خاص اس دن ہمارے روزہ رکھنے سے ان کے ساتھ اشتراک اور تشابہ ہوتا ہے، تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہو سکتی ہے جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات باقی نہ رہے)؟- تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:- انشاء اللہ! جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو روزہ رکھیں گے ——— عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:- لیکن اگلے سال کا ماہ محرم آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہوگئی۔

——— (صحیح مسلم)

(تشریح) ظاہر ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے اشکال عرض کرنے پر یہ بات رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف سے کچھ ہی پہلے فرمائی، اتنی پہلے کہ اس کے بعد محرم کا مہینہ آیا ہی نہیں، اور اس لئے اس نئے فیصلے پر عمل درآمد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں نہیں ہو سکا، لیکن اُمت کو رہنمائی مل گئی کہ اس طرح کے اشتراک اور تشابہ سے بچنا چاہیئے ــــــ چنانچہ اسی مقصد سے آپ نے یہ طے فرمایا کہ انشاء اللہ آئندہ سال سے ہم نویں کا روزہ رکھیں گے۔

نویں کو روزہ رکھنے کا آپ نے جو فیصلہ فرمایا اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور علماء نے دونوں بیان کئے ہیں:۔ ایک یہ کہ آئندہ سے ہم بجائے دسویں محرم کے یہ روزہ نویں محرم ہی کو رکھا کریں گے اور دوسرا یہ کہ آئندہ سے ہم دسویں محرم کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھا کریں گے اور اس طرح سے ہمارے اور یہود و نصاریٰ کے طرزِ عمل میں فرق ہو جائے گا ــــــ اکثر علماء نے اسی دوسرے مطلب کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ یوم عاشورہ کے ساتھ اس سے پہلے نویں کا روزہ بھی رکھا جائے اور اگر نویں کو کسی وجہ سے نہ رکھا جا سکے تو اس کے بعد کے دن گیارھویں کو رکھ لیا جائے۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ یہود و نصاریٰ وغیرہ یوم عاشورہ (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا، اس لئے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہٰذا فی زمانہ رفعِ تشابہ کے لئے نویں یا گیارھویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہیئے۔ واللہ اعلم۔

عشرۂ ذی الحجہ اور یوم العرفہ کا روزہ:ــــــ

(۱۲۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ فِيهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔

ــــــ رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ دنوں میں سے کسی دن میں بھی بندے کا عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا کہ عشرۂ ذی الحجہ میں محبوب ہے (یعنی ان دنوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کو دوسرے تمام دنوں سے زیادہ محبوب ہے) اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے، اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) اس سے پہلے بھی ایک حدیث میں ضمنی طور پر عشرۂ ذی الحجہ کے نفلی روزوں کا ذکر آچکا ہے اور وہاں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ اس سے مراد یکم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک کے ۹ دن ہیں، کیونکہ عید کے دن تو روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

(۱۳۷) عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اِنِّيْ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ بَعْدَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ ——— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ اس کے بعد والے سال اور پہلے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت ابوقتادہ کی ایک طویل حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے زیر عنوان "ہر مہینہ کے تین نفلی روزے" پہلے گزر چکی ہے، اس میں یہ مضمون بھی قریب قریب انہی الفاظ میں آچکا ہے اور وہاں دوسری احادیث کی روشنی میں یہ وضاحت بھی کی جا چکی ہے کہ یوم عرفہ کے روزہ کی یہ فضیلت اور ترغیب ان حجاج کے لئے نہیں ہے جو ادائے حج کے لئے عرفہ کے دن میدان عرفات میں حاضر ہوں، ان کے لئے وہاں روزہ نہ رکھنا افضل ہے ——— اور وہیں اس کی حکمت بھی بیان کی جا چکی ہے۔

(فائدہ) بعض لوگ ایسی حدیثوں میں شک کرنے لگتے ہیں جن میں کسی عمل کا ثواب اور ثمرہ

ان کے خیال کے لحاظ سے بہت زیادہ اور غیر معمولی بیان کیا گیا ہو جس طرح کہ اس حدیث میں عرفہ کے روزے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ: "اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کے معاف ہو جانے کی امید ہے" ــــــ اس شک کی بنیاد ارحم الراحمین کی رحمت و کرم کی وسعت سے ناآشنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ انتہائی کریم اور مختار مطلق ہے جس دن کے جس عمل کی اپنے کرم سے جتنی بڑی چاہے قیمت مقرر فرمائے۔ سال کی ایک رات "لیلۃ القدر" کو اس نے "خیر من الف شھر" ہزار مہینوں یعنی قریباً تیس ہزار دنوں اور راتوں سے بہتر قرار دیا ہے، یہ اس کی کرمی ہے ــــــ الغرض جب حدیث صحیح ہو تو اس طرح کے وساوس مومن کو نہ ہونے چاہئیں۔

پندرھویں شعبان کا روزہ: ــــــ

(۱۳۱) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔

ــــــ رواہ ابن ماجۃ

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب شعبان کی پندرھویں رات آئے تو اس رات میں اللہ کے حضور میں نوافل پڑھو اور اس دن کو روزہ رکھو، کیونکہ اس رات میں آفتاب غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی اور رحمت پہلے آسمان پر اُتر آتی ہے اور وہ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔ کوئی بندہ ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کا فیصلہ کروں، کوئی بندہ ہے جو روزی

مانگے اور میں اس کو روزی دینے کا فیصلہ کروں، کوئی مبتلائے مصیبت بندہ ہے جو مجھ سے صحت و عافیت کا سوال کرے اور میں اس کو عافیت عطا کروں، اسی طرح مختلف قسم کے حاجت مندوں کو اللہ پکارتا ہے کہ وہ اس وقت مجھ سے اپنی حاجتیں مانگیں اور میں عطا کروں۔ غروب آفتاب سے لیکر صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی طرح اپنے بندوں کو اس رات میں پکارتی رہتی ہے ——— (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اسی حدیث کی بنا پر اکثر بلاد اسلامیہ کے دیندار حلقوں میں پندرھویں شعبان کے نفلی روزے کا رواج ہے، لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے نہایت ضعیف قسم کی ہے اس کے ایک راوی ابوبکر بن عبداللہ کے متعلق ائمۂ جرح و تعدیل نے یہاں تک کہا ہے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

پندرھویں شعبان کے روزہ کے متعلق تو صرف یہی ایک حدیث روایت کی گئی ہے البتہ شعبان کی پندرھویں شب میں عبادت اور دعا و استغفار کے متعلق بعض کتب حدیث میں اور بھی متعدد حدیثیں مروی ہیں لیکن ان میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کی سند محدثین کے اصول و معیار کے مطابق قابلِ اعتبار ہو، مگر چونکہ یہ متعدد حدیثیں ہیں اور مختلف صحابۂ کرام سے مختلف سندوں سے روایت کی گئی ہیں اس لئے ابن الصلاح وغیرہ بعض اکابر محدثین نے لکھا ہے کہ غالباً اس کی کوئی بنیاد ہے۔ واللہ اعلم

خاص دنوں میں نفلی روزے :———

جس طرح اب تک کی درج ہونے والی حدیثوں میں سال کے بعض متعین مہینوں اور مہینوں کی بعض مخصوص تاریخوں میں نفلی روزے رکھنے کی خاص ترغیب دی گئی ہے اسی طرح ہفتہ کے بعض مخصوص دنوں کے لئے بھی یہ ترغیب دی گئی ہے اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی اس بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔

(۱۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ فَاُحِبُّ اَنْ یُّعْرَضَ عَمَلِیْ وَاَنَا صَائِمٌ ـــــــ رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیر کو اور جمعرات کو اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے عمل کی پیشی ہو تو میں اس دن روزہ سے ہوں ـــــــ (جامع ترمذی)

(۱۳۳) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ۔

ـــــــ رواہ الترمذی والنسائی

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔

ـــــــ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

(۱۳۴) عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ یَوْمِ الْاِثْنَیْنِ فَقَالَ فِیْہِ وُلِدْتُّ وَفِیْہِ اُنْزِلَ عَلَیَّ ـــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ:۔ میں پیر ہی کے دن پیدا ہوا، اور پیر ہی کے دن سے مجھ پر قرآن کا نزول شروع ہوا۔

ـــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ پیر کا دن بڑی برکت اور رحمت والا دن ہے، اسی دن میں تمہارے نبی کی پیدائش ہوئی، اور اسی دن کتاب اللہ کا نزول شروع ہوا، پھر اس دن کے

روزے کا کیا پوچھنا! ——— اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو پیر کے دن (کبھی کبھی یا اکثر) روزہ رکھتے تھے تو اس کا ایک محرک تو وہ تھا جس کا اوپر کی حدیث میں ذکر آیا، یعنی یہ کہ "اس دن اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے اور آپ چاہتے تھے کہ اس پیشی کے دن آپ روزہ کی حالت میں ہوں" اور دوسرا محرک اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم نعمتوں (ولادت اور وحی و نبوت) کے شکر کا جذبہ بھی تھا جو آپ کو پیر ہی کے دن عطا ہوئیں اور جو ساری دنیا کے لئے بھی نعمت اور رحمت ہیں ——— وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥۔

(۱۳۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ ... فَلَمَّا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

——— رواہ الترمذی والنسائی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن روزہ نہ رکھتے۔

——— (جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر آپ کا روزہ ہوتا تھا، لیکن دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سے منع فرماتے تھے کہ جمعہ کی فضیلت اور خصوصیت کی وجہ سے لوگ ایسا کرنے لگیں کہ نفلی روزے جمعہ ہی کو رکھیں اور شب بیداری اور عبادت کے لئے شب جمعہ ہی کو مخصوص کریں۔

(۱۳۶) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِّنْ بَيْنِ اللَّيَالِىْ وَلَا تَخْتَصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِّنْ بَيْنِ الْاَيَّامِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فِىْ صَوْمٍ يَصُوْمُهٗ اَحَدُكُمْ ———

——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:- تم لوگ راتوں میں سے جمعہ کی رات کو نماز اور عبادت کے لئے مخصوص نہ کرو اور اسی طرح دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے مخصوص نہ کرو، اِلّایہ کہ جمعہ کسی ایسی تاریخ کو پڑجائے جس کو تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہو (اس صورت میں اس جمعہ کے نفلی روزے میں کوئی مضائقہ نہیں) ———— (صحیح مسلم)

(تشریح) جمعہ کے دن اور اس کی رات کی خاص فضیلت کی وجہ سے چونکہ اس کا امکان زیادہ تھا کہ فضیلت پسند لوگ اس دن نفلی روزہ رکھنے کا اور اس کی رات میں شب بیداری اور عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرنے لگیں اور جس چیز کو اللہ و رسول نے فرض و واجب نہیں بتایا اس کے ساتھ فرض و واجب کا سا معاملہ ہونے لگے، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ممانعت فرمائی ———— اس کے علاوہ اس ممانعت کے علمائے کرام نے اور بھی بعض مصالح لکھے ہیں۔ بہر حال یہ ممانعت انتظامی ہے اور منشا و یہ ہے کہ جمعہ کا روزہ اور شب جمعہ کی شب بیداری ایک زائد رسم نہ بن جائے۔ واللہ اعلم۔

(۱۳۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْاٰخَرِ الثَّلٰثَاءَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيْسَ ———— رواه الترمذی

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (ایسا بھی کرتے تھے کہ) ایک مہینہ میں سنیچر، اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے، اور دوسرے مہینہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کا ———— (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے پہلے

معلوم ہو چکا ہے کہ مہینہ کے تین روزوں کے بارے میں حضورؐ کا کوئی لگا بندھا معمول نہیں تھا اس لئے آپ کی اس روایت کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ ایسا بھی کرتے تھے کہ ایک مہینہ میں آپ نے کسی ہفتہ کے پہلے تین دنوں سنیچر، اتوار، پیر کا روزہ رکھ لیا اور دوسرے مہینہ میں بعد والے تین دنوں منگل، بدھ، اور جمعرات کا ——— (اور جمعہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان گزر ہی چکا کہ آپ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر روزہ رکھتے تھے) ——— گویا علاوہ اُن مخصوص تاریخوں اور دنوں کے جن کے روزہ کی خاص فضیلت ہے آپ اس کا بھی اہتمام فرماتے تھے کہ آپ کا نفلی روزہ ہفتہ کے ہر دن میں پڑ جائے تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کے بنائے ہوئے ساتوں دن مبارک اور عبادت کے دن ہیں۔

وہ دن جن میں نفلی روزہ رکھنا منع ہے: ———

سال میں بعض مخصوص دن وہ بھی ہیں جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے، اور اللہ تعالیٰ حاکمِ مطلق ہے، اس نے نماز کو عظیم عبادت بھی قرار دیا اور بعض خاص اوقات میں (مثلاً طلوع و غروب اور استواء کے وقت) نماز کی ممانعت بھی فرمادی۔ اسی طرح اس نے روزہ کو محبوب ترین عبادت اور روحانی ترقی کا خاص وسیلہ بھی قرار دیا، اور بعض خاص دنوں میں روزہ رکھنا حرام بھی کر دیا۔ یہ بات حاکمِ مطلق کی شانِ حاکمیت کے عین مطابق ہے، اور ہم بندوں کا کام بس حکم کی تعمیل اور فرمانبرداری۔

(۱۲۸) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ۔

——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے یوم الفطر کے روزے سے، اور قربانی کے

دن کے روزہ رکھنے سے ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۳۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ صِیَامِ یَوْمَیْنِ یَوْمِ الْاَضْحٰی وَیَوْمِ الْفِطْرِ۔

——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا یوم الاضحٰے اور یوم الفطر میں روزہ رکھنے سے۔

——— (صحیح مسلم)

(۱۴۰) عَنْ اَبِیْ عُبَیْدٍ مَوْلٰی ابْنِ اَزْهَرَ قَالَ شَهِدْتُ الْعِیْدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَجَاءَ فَصَلّٰی ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ اِنَّ هٰذَانِ یَوْمَانِ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِیَامِهِمَا یَوْمُ فِطْرِکُمْ مِنْ صِیَامِکُمْ وَالْاٰخَرُ یَوْمٌ تَاْکُلُوْنَ فِیْهِ مِنْ نُسُکِکُمْ

——— رواہ مسلم

(ترجمہ) ابوعبید مولیٰ ابن ازہر تابعی سے روایت ہے کہ میں نے عید کی نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں پڑھی۔ انھوں نے نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر خطبہ دیا، اُس میں فرمایا کہ:۔ عید کے یہ دونوں دن وہ ہیں کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک دن تو (پورے مہینے رمضان کے روزوں کے بعد) تمھارے فطر کا دن ہے، اور دوسرا اپنی قربانیوں کے گوشت کھانے کا دن ہے ——— (صحیح مسلم)

(۱۴۱) عَنْ نُبَیْشَةَ الْهُذَلِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ اَیَّامُ

أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللهِ ———— رواہ مسلم

(ترجمہ) نُبَیْشَۃ ہُذَلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے دن ہیں۔

———— (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم کی مندرجۂ بالا حدیثوں میں یوم الفطر اور یوم النحر کے دنوں میں روزہ رکھنے کی صریح ممانعت فرمائی گئی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یوم الفطر کا روزہ تو اس لئے منع ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے رمضان کے بعد "فطر کا دن" یعنی روزہ نہ رکھنے اور کھانے پینے کا دن قرار دیا ہے اس لئے اس دن روزہ رکھنے میں منشاءِ الٰہی کی مخالفت ہے، اور یوم النحر کا روزہ اس لئے منع ہے کہ وہ قربانی کا گوشت کھانے کا دن ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ اس دن جو قربانیاں اللہ تعالیٰ کے لئے کی جائیں اس کے بندے ان قربانیوں کا گوشت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی ضیافت سمجھ کر اور اس کے در کے فقیر بن کر شکر کے ساتھ کھائیں، اور وہ بندہ بلاشبہ بڑا متکبر اور کافرِ نعمت ہے جو اللہ کی عام ضیافت کے دن دانستہ روزہ رکھ لے، اور چونکہ ذی الحجہ کی گیارھویں اور بارھویں بھی قربانی کے دن ہیں، اس لئے ان کا حکم بھی یہی ہوگا ———— اور نُبَیْشَۃ ہُذَلی کی آخری حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پورے ایام تشریق کو کھانے پینے کے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ضیافت کے دن فرمایا ہے جس میں ۱۳ ذی الحجہ بھی شامل ہے، اس لئے ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک پانچوں دن روزہ رکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اب ان دنوں میں روزہ رکھنا عبادت نہیں، بلکہ معصیت ہوگا۔

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں
خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

نفلی روزہ توڑا بھی جاسکتا ہے : ———

رمضان کا روزہ اگر بغیر عذرِ شرعی توڑ دیا جائے تو اس کا بہت بھاری کفّارہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے جس کا تفصیلی بیان اپنے موقع پر گزر چکا ہے لیکن نفلی روزہ رکھنے والا اگر چاہے تو توڑ بھی سکتا ہے، اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوگا اور وہ گنہگار بھی نہیں ہوگا ——— رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی خود بھی ایسا کیا ہے، اور دوسروں کو بھی یہ مسئلہ بتلایا ہے۔

(۱۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْئٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَإِنِّي إِذًا صَائِمٌ ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا آخَرَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ أَرِنِيْهِ فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا فَأَكَلَ ——

——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا :— کیا تمھارے ہاں کھانے کے لئے اِس وقت کچھ ہے ؟ ۔ ہم نے عرض کیا کہ :——— اِس وقت تو کچھ بھی نہیں ہے ! ۔ آپؐ نے فرمایا :——— تو اب ہم روزہ رکھتے ہیں ——— پھر ایک اور دن آپؐ تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ :— آج ہمارے ہاں حَیس (خُرما اور مکھن کا ملیدہ) ہدیہ میں آیا ہے اُس کو نوش فرمالیں ۔ آپؐ نے فرمایا : — دکھاؤ ! ہم نے آج روزے کی نیّت کرلی تھی ——— پھر آپؐ نے اُس میں سے نوش فرمایا، اور

روزہ نہیں رکھا ________ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں :- ایک یہ کہ نفلی روزے کی نیت دن میں بھی کی جا سکتی ہے، اور دوسری یہ کہ نفلی روزے کی نیت کر لینے کے بعد اگر رائے بدل جائے تو اس کو توڑا بھی جا سکتا ہے ____ اگلی حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ معلوم ہو گی۔

(۱۴۳) عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلَى يَسَارِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمُّ هَانِئٍ عَنْ يَمِينِهِ فَجَاءَتِ الْوَلِيدَةُ بِإِنَاءٍ فِيهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهُ أُمَّ هَانِئٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ لَقَدْ أَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا أَكُنْتِ تَقْضِينَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ إِنْ كَانَ تَطَوُّعًا

________ رواہ ابو داؤد والترمذی والدارمی

(ترجمہ) حضرت اُمِّ ہانی بنتِ ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ :- فتح مکہ کے دن (جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے) حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آئیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب بیٹھ گئیں اور اُمِّ ہانیؓ آپؐ کے داہنی جانب تھیں کہ ایک بچی آپؐ کے پینے کے لئے کوئی مشروب لے کر آئی اور آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے اُس میں سے کچھ پی لیا اور پھر اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھا دیا، انھوں نے بھی اُس میں سے پی لیا اور پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا :-

یا رسول اللہ! میں روزے سے تھی اور میں نے یہ پی کے روزہ توڑ دیا۔ آپؐ نے فرمایا:۔ کیا تم اس روزے کے ذریعے کسی فرض یا واجب کو ادا کرنا چاہتی تھیں؛ انھوں نے عرض کیا:۔ نہیں (بلکہ صرف نفلی روزہ تھا)۔ تو آپؐ نے فرمایا:۔ اگر نفلی تھا، تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔

——— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی)

(تشریح) اس حدیث میں تصریح ہے کہ نفلی روزہ توڑ دینے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:۔

"اَلصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ اَمِيْرُ نَفْسِهٖ اِنْ شَاءَ صَامَ وَاِنْ شَاءَ اَفْطَرَ"

(یعنی نفلی روزہ رکھنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے تو روزہ پورا کرے اور کسی وجہ سے توڑنا چاہے تو توڑ دے)۔ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھنا پڑے گا یا نہیں ——— آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی قضا رکھنے کا بھی حکم ہے۔

(۱۴۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اِقْضِيَا يَوْمًا اٰخَرَ مَكَانَهٗ۔

——— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:——— میں اور حفصہ (رضی اللہ عنہا) دونوں نفلی روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا، جس کو کھانے کے ہمارا جی چاہا اور ہم نے اس کو کھا لیا۔ پھر حفصہؓ نے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا :- یا رسول اللہ! ہم دونوں روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا آیا، جس کو کھانے کے لئے ہمارا جی چاہا، تو ہم نے اس میں سے کچھ کھالیا (اور روزہ توڑ دیا) - آپؐ نے فرمایا کہ :- اس کی جگہ کسی دن قضا روزہ رکھو۔

______ (جامع ترمذی)

(تشریح) اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی قضا کے طور پر روزہ رکھنا چاہیئے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قضا واجب ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب نہیں صرف مستحب ہے ______ تَمَّ کتاب الصَّوْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

کِتابُ الحج

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ

عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ——— (آل عمران ۔ ع ۔ ۱۰)۔

اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے اُن لوگوں پر
جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں
اور جو نہ مانے
تو اللہ کو پرواہ نہیں ہے دُنیا بھر کی!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اسلام کے پانچ ارکان میں سے آخری اور تکمیلی رکن "حج بیت اللہ" ہے۔

حج کیا ہے؟ ـــــ ایک معین اور مقرر وقت پر اللہ کے دیوانوں کی طرح اس کے دربار میں حاضر ہونا، اور اس کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اداؤں، اور طور طریقوں کی نقل کر کے اُن کے سلسلے اور مسلک سے اپنی وابستگی اور وفاداری کا ثبوت دینا، اور اپنی استعداد کے بقدر ابراہیمی جذبات اور کیفیات سے حصہ لینا اور اپنے کو اُن کے رنگ میں رنگنا۔

مزید وضاحت کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک شان یہ ہے کہ وہ ذوالجلال والجبروت احکم الحاکمین اور شہنشاہِ کل ہے، اور ہم اس کے عاجز و محتاج بندے اور مملوک و محکوم ہیں۔ اور دوسری شان اس کی یہ ہے کہ وہ اُن تمام صفات جمال سے بدرجۂ اتم متصف ہے جن کی وجہ سے انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے اور اس لحاظ سے وہ ـــ بلکہ صرف وہی ـــ محبوب حقیقی ہے۔ اس کی پہلی حاکمانہ اور شاہانہ شان کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اُس کے حضور میں ادب و نیاز کی تصویر بن کر حاضر ہوں ـــــ ارکان اسلام میں پہلا عملی رکن نماز اسی کا خاص مرقع ہے اور اس میں یہی رنگ غالب ہے

اور زکوٰۃ بھی اسی نسبت کے ایک دوسرے رُخ کو ظاہر کرتی ہے ـــــ اور اس کی دوسری
شانِ محبوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کا تعلق اس کے ساتھ محبت اور والہیت کا ہو۔
روزے میں بھی کسی قدر یہ رنگ ہے، کھانا پینا چھوڑ دینا اور نفسانی خواہشات سے منھ موڑ لینا
عشق و محبت کی منزلوں میں سے ہے، مگر حج اس کا پورا پورا مرقع ہے۔ سلے کپڑوں کے بجائے
ایک کفن نما لباس پہن لینا، ننگے سر رہنا، حجامت نہ بنوانا، ناخن نہ ترشوانا، بالوں میں کنگھا
نہ کرنا، تیل نہ لگانا، خوشبو کا استعمال نہ کرنا، میل کچیل سے جسم کی صفائی نہ کرنا، چیخ چیخ کے
لبیک لبیک پکارنا، بیت اللہ کے گرد چکر لگانا، اس کے ایک گوشے میں لگے ہوئے سیاہ پتھر
(حجرِ اسود) کو چومنا اس کے در و دیوار سے لپٹنا اور آہ و زاری کرنا، پھر صفا و مروہ کے پھیرے کرنا،
پھر مکہ شہر سے بھی نکل جانا اور منیٰ اور کبھی عرفات اور کبھی مزدلفہ کے صحراؤں میں جا پڑنا، پھر
جمرات پہ بار بار کنکریاں مارنا، یہ سارے اعمال وہی ہیں جو محبت کے دیوانوں سے سرزد
ہوا کرتے ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام گویا اس رسم عاشقی کے بانی ہیں۔ ـــ
اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادائیں اتنی پسند آئیں کہ اپنے دربار کی خاص الخاص حاضری حج و عمرہ
کے ارکان و مناسک ان کو قرار دے دیا۔ انہی سب کے مجموعہ کا نام گویا حج ہے
اور یہ اسلام کا آخری اور تکمیلی رکن ہے۔

اس سلسلۂ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد کتاب الایمان" میں وہ
حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں اسلام کے ارکان پنجگانہ کا بیان ہے اور ان میں آخری
رکن "حج بیت اللہ" بتایا گیا ہے۔

حج کی فرضیت کا حکم راجح قول کے مطابق ۹ھ میں آیا ہے، اور اس کے اگلے
سال ۱۰ھ میں اپنی وفات سے صرف تین مہینے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
صحابۂ کرامؓ کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ حج فرمایا، جو "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہے،
اور اسی حجۃ الوداع میں خاص عرفات کے میدان میں آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ الآية (المائدہ ع ۱۰)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا۔

اس میں اس طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ حج اسلام کا تکمیلی رکن ہے۔

اگر بندہ کو صحیح اور مخلصانہ حج نصیب ہو جائے جس کو دین و شریعت کی زبان میں "حج مبرور" کہتے ہیں۔ اور ابراہیمی و محمدی نسبت کا کوئی ذرہ اس کو عطا ہو جائے تو گویا اس کو سعادت کا اعلیٰ مقام حاصل ہو گیا، اور وہ نعمتِ عظمیٰ اس کے ہاتھ آ گئی جس سے بڑی کسی نعمت کا اس دنیا میں تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا، اس کو حق ہے کہ تحدیث نعمت کے طور پر کہے اور مست ہو ہو کر کہے۔ ؎

نازم بچشمِ خود کہ جمالِ تو دیدہ است ❊ افتم بہ پائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ❊ کہ دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اِس مختصر تمہید کے بعد حج کے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھئے! :—

حج کی فرضیت اور فضیلت :—

(۱۴۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُوَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَاءِهِمْ

فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ
إِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ ———— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور اُس میں فرمایا۔ اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے لہذا اس کو ادا کرنے کی فکر کرو ———— ایک شخص نے عرض کیا کہ:۔ یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا ہم پر فرض کیا گیا ہے؟۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ اس شخص نے تین دفعہ اپنا وہ سوال دوہرایا، تو آپ نے (ناگواری کے ساتھ) فرمایا کہ:۔ اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں کہہ دیتا کہ ۔ ہاں! ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا" تو اسی طرح فرض ہو جاتا، اور تم ادا نہ کر سکتے ———— اس کے بعد آپ نے ہدایت فرمائی کہ:۔ کسی معاملہ میں جب تک میں خود تم کو کوئی حکم نہ دوں تم مجھ سے حکم لینے (اور سوال کر کر کے اپنی پابندیوں میں اضافہ کرنے) کی کوشش نہ کرو ———— تم سے پہلی امتوں کے لوگ اسی لئے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں سے سوال بہت کرتے تھے اور پھر ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے ———— لہذا میری ہدایت تم کو یہ ہے کہ) جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جب تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو ———————— (صحیح مسلم)

(تشریح) جامع ترمذی وغیرہ میں قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج کی فرضیت کا یہ اعلان اور اس پر یہ سوال و جواب جو حضرت ابوہریرہ رض کی مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے سورۂ آل عمران کی اس آیت کے نازل ہونے پر پیش آیا تھا۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ	اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا	فرض ہے اُن لوگوں پر، جو اس کی
(آل عمران - ع - ۱۰)	استطاعت رکھتے ہوں ۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں اُن صحابی کا نام مذکور نہیں ہے جنھوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ :۔ "کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے ؟" ۔۔۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اسی مضمون کی حدیث جس کو امام احمد اور دارمی اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے، اس میں تصریح ہے کہ یہ سوال کرنے والے اقرع بن حابس تمیمی تھے، یہ اُن لوگوں میں ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، ان کو تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا ابھی پورا موقع نہیں ملا تھا اسی لئے اُن سے یہ لغزش ہوئی کہ ایسا سوال کر بیٹھے، اور جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا، تو پھر دوبارہ اور پھر سہ بارہ سوال کیا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ :۔ "اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا" اس کا منشا اور مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو سوچنا اور سمجھنا چاہئے تھا کہ میں نے حج کے فرض ہونے کا جو حکم سُنایا تھا اُس کا تقاضا اور مطالبہ عمر بھر میں بس ایک حج کا تھا، اس کے بعد ایسا سوال کرنے کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا (اور ظاہر ہے کہ آپ ہاں جب ہی کہتے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا) تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا، اور اُمت سخت مشکل میں پڑ جاتی ۔۔۔۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ :۔ اگلی امتوں کے بہت سے لوگ کثرتِ سوال اور قیل و قال کی اسی بُری عادت کی وجہ سے تباہ ہوئے، انھوں نے اپنے نبیوں سے سوال کر کر کے شرعی پابندیوں میں اضافہ کرایا، اور پھر اس کے مطابق عمل کر نہیں سکے۔

حدیث کے آخر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی اہم اور اصولی

بات فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :—

"جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اُس کی تعمیل کرو، اور جس چیز سے منع کروں اُس کو ترک کردو۔"

مطلب یہ ہے کہ میری لائی ہوئی شریعت کا مزاج سختی اور تنگی کا نہیں ہے بلکہ سہولت اور وسعت کا ہے، جس حد تک تم سے تعمیل ہو سکے اس کی کوشش کرو، بشری کمزوریوں کی وجہ سے جو کمی کسر رہ جائے گی اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے اس کی معافی کی اُمید ہے۔

(۱۴۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَ ذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا۔

—— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جس کے پاس سفرِ حج کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری میسر ہو جو بیت اللہ تک اس کو پہونچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :—

"اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے اُن لوگوں پر جو اُس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں" —— (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں اُن لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید ہے جو حج کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کریں۔ فرمایا گیا ہے کہ ان کا اس حال میں مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا گویا برابر ہے (معاذ اللہ) یہ اسی طرح کی وعید ہے جس طرح ترکِ نماز کو

کفر وشرک کے قریب کہا گیا ہے ——— قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے : ———

"اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ" (الروم، ع ۵)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکِ صلوٰۃ مشرکوں والا عمل ہے۔

حج فرض ہونے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو مشرکین کے بجائے یہود ونصاریٰ سے تشبیہ دینے کا راز یہ ہے کہ حج نہ کرنا یہود ونصاریٰ کی خصوصیت تھی کیونکہ مشرکین عرب حج کیا کرتے تھے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے اسلئے ترکِ نماز کو مشرکوں والا عمل تبلایا گیا۔

اس حدیث میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے لئے جو سخت وعید ہے اس کے لئے سورۂ آل عمران کی اس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کی سند پیش کی گئی ہے جس میں حج کی فرضیت کا بیان ہے، یعنی "لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا"، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے صرف حوالہ کے طور پر آیت کا یہ ابتدائی حصہ پڑھنے پر اکتفا کیا، یہ وعید آیت کے جس حصے سے نکلتی ہے وہ اس کے آگے والا حصہ ہے، یعنی "وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کے بعد جو کوئی کافرانہ رویہ اختیار کرے یعنی باوجود استطاعت کے حج نہ کرے تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں، وہ ساری دنیا اور ساری کائنات سے بے نیاز ہے) ——— اس میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے رویّہ کو "مَنْ کَفَرَ" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور "اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ" کی وعید سنائی گئی ہے، اس کا مطلب یہی ہوا کہ ایسے ناشکرے اور نافرمان جو کچھ بھی کریں اور جس حال میں مریں اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مسند دارمی وغیرہ میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(۷۴۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا یُوْجِبُ الْحَجَّ

قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ ________ رواہ الترمذی وابن ماجۃ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے پوچھا کہ :- کیا چیز حج کو واجب کردیتی ہے ؟- آپ نے فرمایا ... ... سامان سفر اور سواری۔

________ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) قرآن مجید میں فرضیتِ حج کی شرط کے طور پر "مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" فرمایا گیا ہے، یعنی حج اُن لوگوں پر فرض ہے جو سفر کرکے مکہ معظمہ تک پہونچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ________ اس میں جو اجمال ہے غالباً سوال کرنے والے صحابی نے اس کی وضاحت چاہی اور دریافت کیا کہ اس استطاعت کا متعین معیار کیا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ :- ایک تو سواری کا انتظام ہو جس پر مکہ معظمہ تک سفر کیا جاسکے، اور اس کے علاوہ کھانے پینے جیسی ضروریات کے لئے اتنا سرمایہ ہو جو اس زمانۂ سفر کے گزارے کے لئے کافی ہو ________ فقہائے کرام نے اس گزارے میں اُن لوگوں کے گزارے کو بھی شامل کیا ہے جن کی کفالت جانے والے کے ذمہ ہو۔

(۱۴۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ ________ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جس آدمی نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب کیا، اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہوکر واپس ہوگا جیسا اُس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

________ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ" اس آیت میں حج کرنے والوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ خاصکر زمانۂ حج میں وہ شہوت کی باتوں اور اللہ کی نافرمانی والے سارے کاموں اور آپس کی جھگڑے بازی سے بچیں۔۔۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اس ہدایت پر عمل کرنے والوں کو بشارت سُنائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو شخص حج کرے اور ایام حج میں نہ تو شہوت کی باتیں کرے، اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کوئی ایسی حرکت کرے جو فسق کی حد میں آتی ہو، تو حج کی برکت سے اُس کے سارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، اور وہ گناہوں سے بالکل ایسا پاک وصاف ہوکر واپس ہوگا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے دن بے گناہ تھا۔۔۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ دولت نصیب فرمائے۔

(۱۴۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ ۔۔۔

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ۔۔ ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کفارہ ہوجاتا ہے ان کے درمیان کے گناہوں کا ۔۔۔ اور "حج مبرور" (پاک اور مخلصانہ حج) کا بدلہ تو بس جنت ہے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۵۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ

وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ
رواہ الترمذی والنسائی

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- پے در پے کیا کرو حج اور عمرہ کیونکہ حج اور عمرہ دونوں فقر و محتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح لوہار اور سنار کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے۔ اور "حج مبرور" کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے۔

(جامع ترمذی سنن نسائی)

(تشریح) جو شخص اخلاص کے ساتھ حج یا عمرہ کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں غوطہ لگاتا اور غسل کرتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ گناہوں کے گندے اثرات سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ دنیا میں بھی اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوتا ہے کہ فقر و محتاجی اور پریشاں حالی سے اس کو نجات مل جاتی ہے اور خوش حالی اور اطمینانِ قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے، اور مزید برآں "حج مبرور" کے صلہ میں جنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔

(۱۵۱) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللهِ إِنْ دَعَوْهُ أَجَابَهُمْ وَإِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ۔

رواہ ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرمائے، اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔

(سنن ابن ماجہ)

(۱۵۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بَيْتَهٗ فَاِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ ـــــــــــــ رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جب کسی حج کرنے والے سے تمہاری ملاقات ہو تو اس کے اپنے گھر میں پہونچنے سے پہلے اس کو سلام کرو اور مصافحہ کرو اور اس سے مغفرت کی دعا کے لئے کہو کیونکہ وہ اس حال میں ہے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ ہو چکا ہے (اس لئے اس کی دعا کے قبول ہونے کی خاص توقع ہے) ـــــــــــــ (مسند احمد)

(۱۵۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِیْ طَرِيْقِهٖ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ الْغَازِیْ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ ـــــــــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کا جو بندہ حج یا عمرہ کی نیت سے یا راہِ خدا میں جہاد کے لئے نکلا، پھر راستہ ہی میں اس کو موت آگئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے واسطے وہی اجر و ثواب لکھ دیا جاتا ہے جو حج و عمرہ کرنے والوں کے لئے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لئے مقرر ہے۔

ـــــــــــــ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ دستور و قانون کا اعلان خود قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے :-

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ	اور جو بندہ اپنا گھر بار چھوڑ کے اللہ
مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی

ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔	نیت سے نکل پڑے، پھر آجائے اُس کو موت (راستہ ہی میں) تو مقرر ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ہاں، اور اللہ تعالیٰ
(النساء ۔ ع ۔ ۱۴)	بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ اللہ کی رضا کا کوئی کام کرنے کے لئے گھر سے نکلے اور اس کے عمل میں آنے سے پہلے راستہ ہی میں اس کی زندگی ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کا پورا اجر اس بندہ کے لئے مقرر ہو جاتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت کا تقاضا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔

میقات، اِحرام، تلبیہ :

کعبۂ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کا قبلہ اور اپنا محترم و مقدس "بیت" (گھر) قرار دیا ہے، اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا، جو لوگ وہاں حاضری کی استطاعت رکھتے ہوں اُن پر عُمر میں ایک دفعہ حاضر ہونا اور حج کرنا فرض کیا ہے، اور اس حاضری اور حج کے کچھ لازمی آداب مقرر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حاضر ہونے والے اپنے روزمرّہ کے اور عام عادی لباس میں حاضر نہ ہوں بلکہ ایسے فقیرانہ لباس میں حاضر ہوں جو مُردوں کے کفن سے مشابہت رکھتا ہو، اور آخرت میں میدانِ حشر کی حاضری کو یاد دلاتا ہو ـــــ کُرتا، پاجامہ صدری، شیروانی، کوٹ، پتلون کچھ نہ ہو بس ایک تہبند باندھ لیں اور ایک چادر جسم کے اوپر کے حصّے پر ڈال لیں، سر بھی کھُلا ہو، پاؤں میں موزہ بلکہ ایسا جوتا بھی نہ ہو جس سے پورا پاؤں ڈھک جائے[1]۔ اسی قسم کی کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ

[1] احرام کے سلسلہ میں یہ احکام صرف مَردوں کے لئے ہیں، عورتوں کو پردہ کی وجہ سے سِلے کپڑے پہننے اور سر ڈھکنے کی اور اسی طرح پاؤں میں موزہ وغیرہ پہننے کی اجازت دی گئی ہے۔

بندہ ایسی ہیئت اور صورت میں حاضر ہو جس سے اس کی عاجزی اور بیچارگی اور بے حیثیتی و بے مائگی اور عیش دنیوی سے بے رغبتی ظاہر ہو ——— لیکن بندوں کے ضعف کا لحاظ رکھتے ہوئے اُن کو اس کا مکلف نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے گھر ہی سے احرام بند اور ان آداب کے پابند ہو کے روانہ ہوں، اگر یہ حکم دیا جاتا تو اللہ کے بندے بڑی مشکل میں پڑ جاتے۔ اب سے کچھ ہی زمانہ پہلے تک بہت سے مُلکوں کے حاجی کئی کئی مہینے سفر کرنے کے بعد مکۂ معظمہ پہونچا کرتے تھے، اور اب بھی بہت سے ملکوں کے حجاج کئی کئی ہفتہ کا بری اور بحری سفر کر کے وہاں پہونچتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل مُدت تک احرام کی پابندیوں کا نبھانا اکثر لوگوں کے لئے سخت مشکل ہوتا، اس لئے مختلف راستوں سے آنے والے حجاج کیلئے مکۂ معظمہ کے قریب مختلف سمتوں میں کچھ مقامات مقرر کر دیئے گئے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ حج یا عمرہ کے لئے آنے والے جب ان میں سے کسی مقام پہ پہونچیں تو "بیت اللہ" اور "بلد اللہ الحرام" کے ادب میں وہیں سے احرام بند ہو جائیں ——— مختلف سمتوں کے یہ مُعیّن مقامات جن کی تفصیل آگے آئے گی "میقات" کہلاتے ہیں۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہئیے کہ احرام باندھنے کا مطلب صرف احرام والے کپڑے پہن لینا نہیں ہے، بلکہ یہ کپڑے پہن کے پہلے دو رکعت نماز (دوگانۂ احرام) پڑھی جاتی ہے اس کے بعد پکار کے تلبیہ پڑھا جاتا ہے: ———

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ

اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ"

اِس تلبیہ کے پڑھنے کے بعد آدمی مُحرِم (احرام بند) ہو جاتا ہے، اور اسی سے حج کا عمل شروع ہو جاتا ہے، اور احرام والی ساری پابندیاں اس پر عائد ہو جاتی ہیں ——— جس طرح تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد نماز کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور نماز والی ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔

اِس تمہید کے بعد مواقیت ، احرام اور تلبیہ کے بارے میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مندرجۂ ذیل احادیث پڑھئے ! :-

مواقیت :-

(۱۵۴) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ اَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمَهَلُّهٗ مِنْ اَهْلِهٖ وَكَذَاكَ وَكَذَاكَ حَتّٰى اَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا۔

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کو اہلِ مدینہ کا میقات مقرر کیا، اور جُحفہ کو اہلِ شام کا، اور قرن المنازل کو اہلِ نجد کا، اور یلملم کو اہلِ یمن کا۔ پس یہ چاروں مقامات خود اِن کے رہنے والوں کے لئے میقات ہیں، اور اُن سب لوگوں کے لئے جو دوسرے علاقوں سے اِن مقامات پر ہوتے ہوئے آئیں جن کا ارادہ حج یا عمرہ کا ہو۔ پس جو لوگ اِن مقامات کے ورے ہوں (یعنی اِن مقامات سے مکہ معظمہ کی طرف کے رہنے والے ہوں) تو وہ اپنے گھر ہی سے احرام باندھیں گے اور یہ قاعدہ اسی طرح چلے گا، یہاں تک کہ خاص مکہ کے رہنے والے مکہ ہی سے احرام باندھیں گے ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۵۵) عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَهَلُّ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَالطَّرِيْقِ الْاٰخَرِ الْجُحْفَةُ وَمَهَلُّ اَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ وَمَهَلُّ اَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ وَمَهَلُّ اَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ ۔

———— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ اہل مدینہ کا میقات (جہاں سے ان کو احرام باندھنا ہے) ذوالحلیفہ ہے۔ اور دوسرے راستہ سے جانے والوں کا میقات جحفہ ہے، اور اہل عراق کا میقات ذات عرق ہے اور اہل نجد کا میقات قرن المنازل ہے اور اہل یمن کا میقات یلملم ہے ———— (صحیح مسلم)

(تشریح) اوپر والی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف چار میقاتوں کا ذکر ہے:۔ (۱) ذوالحلیفہ (۲) جحفہ (۳) قرن المنازل (۴) یلملم ——— اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں پانچویں میقات "ذات عرق" کا بھی ذکر ہے جس کو اہل عراق کا میقات قرار دیا گیا ہے۔ دونوں روایتوں میں ایک اور خفیف سا فرق یہ بھی ہے کہ پہلی روایت میں جحفہ کو اہل شام کا میقات بتایا گیا ہے اور دوسری روایت میں اس کو "دوسرے راستہ والوں کا" میقات کہا گیا ہے جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ اہل مدینہ بھی اگر دوسرے راستہ سے (یعنی جحفہ کی طرف سے) مکہ معظمہ جائیں تو وہ جحفہ سے بھی احرام باندھ سکتے ہیں، اور ان کے علاوہ جو دوسرے علاقوں کے لوگ مثلاً اہل شام جحفہ کی طرف سے آئیں وہ بھی جحفہ سے احرام باندھیں۔ اور بعض شارحین نے "دوسرے طریقہ والوں" سے مراد اہل شام ہی لئے ہیں، اس صورت میں دونوں روایتوں میں صرف تعبیر اور لفظ ہی کا فرق رہے گا ——— بہرحال یہ پانچوں مقامات معین اور متفق علیہ میقات ہیں۔ جن

علاقوں کے لئے یہ میقات قرار دیئے گئے تھے اُن سے مکۂ مکرمہ آنے والوں کے راستہ میں یہ پڑتے تھے۔ ان کا مختصر تعارف یہ ہے:۔۔۔۔۔۔۔

ذُوالحُلَیفہ۔ جو اہلِ مدینہ کے لئے میقات مقرر کیا گیا ہے مدینۂ طیبہ سے مکۂ معظمہ جاتے ہوئے صرف پانچ چھ میل پہ پڑتا ہے، یہ مکۂ معظمہ سے سب سے زیادہ بعید میقات ہے یہاں سے مکۂ مکرمہ قریباً دو سو میل ہے، بلکہ آج کل کے راستہ سے قریباً ڈھائی سو میل ہے۔۔۔ چونکہ اہلِ مدینہ کا دین سے خاص تعلق ہے اس لئے ان کا میقات اتنی بعید مسافت پر مقرر کیا گیا ہے دین میں جس کا مرتبہ جتنا بڑا ہے اس کو مشقت بھی اتنی ہی زیادہ اُٹھانی پڑتی ہے۔ ؎

جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

جُحفہ۔ یہ شام وغیرہ مغربی علاقوں سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ موجودہ رابغ کے قریب ایک بستی تھی، اب اس نام کی کوئی بستی موجود نہیں ہے، لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کا محل وقوع رابغ کے قریب تھا جو مکۂ معظمہ سے قریباً سو میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ساحل کے قریب ہے۔

قرن المنازل۔ یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے مکۂ معظمہ سے قریباً ۳۰، ۳۵ میل مشرق میں نجد جانے والے راستہ پر ایک پہاڑی ہے۔

ذات عرق۔ یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔ مکۂ معظمہ سے شمال مشرق میں عراق جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ مسافت مکۂ معظمہ سے ۵۰ میل کے قریب ہے۔

یَلَملَم۔ یہ یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔ یہ تہامہ کی پہاڑیوں میں سے ایک معروف پہاڑی ہے، جو مکۂ معظمہ سے قریباً ۴۰ میل جنوب مشرق میں یمن سے مکہ آنے والے راستہ پر پڑتی ہے۔

جیسا کہ مندرجۂ بالا دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

ان پانچوں مقامات کو خود ان کے باشندوں کے لئے اور دوسرے تمام علاقوں کے ان لوگوں کے لئے جو حج یا عمرہ کے واسطے ان مقامات کی طرف سے آئیں "میقات" مقرر فرمایا ہے۔ فقہائے امت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لئے ان مقامات میں سے کسی مقام کی طرف سے آئے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کے اس مقام سے آگے بڑھے۔ احرام باندھنے کا مطلب اور اس کا طریقہ ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے

احرام کا لباس:

(۱۵۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَا يَجِدُ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: محرم (حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والا) کیا کیا کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ:۔ (حالت احرام میں) نہ تو کرتا قمیص پہنو اور نہ سر پر عمامہ باندھو اور نہ شلوار یا جامہ پہنو اور نہ بارانی پہنو، اور نہ پاؤں میں موزے پہنو، سوائے اس کے کہ کسی آدمی کے پاس پہننے کے لئے چپل جوتا نہ ہو تو وہ مجبوراً پاؤں کی حفاظت کے لئے موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کے

جوتا سا بنا لے (آگے آپ نے فرمایا کہ حالت احرام میں) ایسا بھی کوئی کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا وَرس لگا ہو ۔۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں قمیص، شلوار، عمامہ وغیرہ صرف اُن چند کپڑوں کا نام لیا ہے جن کا اس وقت رواج تھا، یہی حکم ان تمام کپڑوں کا ہے جو مختلف زمانوں میں اور مختلف قوموں اور ملکوں میں ان مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں یا آئندہ استعمال ہوں گے جن مقاصد کے لئے قمیص، شلوار، عمامہ وغیرہ استعمال ہوتے تھے ۔

زعفران تو معروف ہے، وَرس بھی ایک خوشبودار زرد رنگ کی پتی ہے ۔ یہ دونوں چیزیں چونکہ خوشبو کے لئے استعمال ہوتی تھیں اس لئے حالتِ احرام میں ایسے کپڑے کے استعمال کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے جس کو زعفران یا وَرس لگی ہو ۔

سوال کرنے والے شخص نے پوچھا تھا کہ: "مُحرِم کون سے کپڑے پہنے ؟" آپ نے جواب میں فرمایا کہ: "فلاں فلاں کپڑے نہ پہنے" اس جواب میں گویا آپ نے اس کی بھی تلقین فرمائی کہ پوچھنے کی بات یہ نہیں ہے کہ مُحرِم کون سے کپڑے پہنے ؟ بلکہ یہ دریافت کرنا چاہئے کہ کس قسم کے کپڑے پہننے کی اس کو ممانعت ہے، کیونکہ احرام کا اثر یہی پڑتا ہے کہ کچھ کپڑے اور کچھ چیزیں جن کا استعمال عام حالات میں جائز ہے احرام کی وجہ سے ان کا استعمال ناجائز ہو جاتا ہے، اس لئے یہ دریافت کرنا چاہئے کہ احرام میں کن کپڑوں اور کن چیزوں کا استعمال ممنوع اور ناجائز ہو جاتا ہے ۔

(۱۵۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى النِّسَاءَ فِىْ اِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَلْتَلْبَسْ بَعْدَ ذَالِكَ مَا اَحَبَّتْ مِنْ اَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرٍ اَوْ خَزٍّ اَوْ حُلِيٍّ اَوْ سَرَاوِيْلَ اَوْ قَمِيْصٍ

اَوْخُفَّيْنِ ——————— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ :-
میں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ منع فرماتے تھے عورتوں کو احرام کی حالت میں دستانے پہننے سے اور چہرے پر نقاب ڈالنے اور اُن کپڑوں کے استعمال سے جن کو زعفران یا وَرس لگی ہو، اور ان کے بعد اور ان کے علاوہ جو رنگین کپڑے وہ چاہیں پہن سکتی ہیں کُسُمبی کپڑا ہو یا ریشمی، اور اسی طرح وہ چاہیں تو زیور بھی پہن سکتی ہیں اور شلوار اور قمیص اور موزے بھی پہن سکتی ہیں ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ احرام کی حالت میں قمیص، شلوار وغیرہ سِلے کپڑے پہننے کی ممانعت صرف مردوں کو ہے، عورتوں کو پردہ کی وجہ سے ان سب کپڑوں کے استعمال کی اجازت ہے اور موزے پہننے کی بھی اجازت ہے، ہاں دستانے پہننے کی ان کو بھی ممانعت ہے اور مُنہ پر نقاب ڈالنے کی بھی ممانعت ہے ——— لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے بھی اپنے چہرے بالکل کھُلے رکھیں۔ حدیث میں ممانعت چہرے پر باقاعدہ نقاب ڈالنے کی ہے، لیکن جب اجنبی مَردوں کا سامنا ہو تو اپنی چادر سے یا کسی اور چیز سے ان کو آڑ کر لینی چاہئے ——— سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، فرماتی ہیں کہ :———

"ہم عورتیں حج میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام کی حالت میں تھیں (تو احرام کی وجہ سے ہم چہروں پر نقاب نہیں ڈالتی تھیں) جب ہمارے سامنے سے مَرد گزرتے تو ہم اپنی چادر سَر کے اوپر سے لٹکا لیتی تھیں اور اس طرح پردہ کر لیتی تھیں، پھر جب وہ مَرد آگے بڑھ جاتے تو ہم اپنے چہرے کھول دیتی تھیں۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ احرام

کی حالت میں عورتوں کو نقاب کے استعمال کی ممانعت ہے لیکن جب اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو چادر سے یا کسی اور چیز سے ان کو آڑ کر لینی چاہئے۔

احرام سے پہلے غسل :-

(۱۵۸) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهٗ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَرَّدَ لِاِهْلَالِهٖ وَاغْتَسَلَ -

رواہ الترمذی والدارمی

(ترجمہ) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے کپڑے اتارے اور غسل فرمایا احرام باندھنے کے لئے۔

(جامع ترمذی، مسند دارمی)

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر احرام سے پہلے غسل کو سُنّت کہا گیا ہے، لیکن اگر کسی نے دوگانۂ احرام پڑھنے کے لئے صرف وضو کر لیا تب بھی کافی ہے اور اس کا احرام صحیح ہو گا۔

تلبیۂ احرام :-

(۱۵۹) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ مُلَبِّدًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، لَا يَزِيْدُ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم کو تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا اس حال میں کہ آپ کے سر کے بال جمے ہوئے اور مرتب طور پر لگے ہوئے تھے (جیسا کہ غسل کے بعد سر کے بالوں کا حال ہوتا ہے) آپ اس طرح تلبیہ پڑھتے تھے :۔۔۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ	میں حاضر ہوں خداوندا تیرے حضور حاضر ہوں
لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ	حاضر ہوں تیرا کوئی شریک ساتھی نہیں میں
لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ	تیرے حضور حاضر ہوں، ساری حمد و ستائش کا
وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ	تو ہی سزاوار ہے اور ساری نعمتیں تیری ہی ہیں
لَا شَرِيْكَ لَكَ ۔۔۔	اور ساری کائنات میں فرماں روائی بھی بس

تیری ہی ہے تیرا کوئی شریک و سہیم نہیں!

بس یہی کلمات تلبیہ میں آپ پڑھتے تھے، ان پر کسی اور کلمہ کا اضافہ نہیں فرماتے تھے۔۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کے ذریعہ اپنے بندوں کو حج یعنی اپنے دربار کی حاضری کا بُلاوا دلوایا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے) تو حج کو جانے والا بندہ جب احرام باندھ کے یہ تلبیہ پڑھتا ہے تو گویا وہ ابراہیم علیہ السلام کی اُس پکار اور اللہ تعالیٰ کے اس بُلاوے کے جواب میں عرض کرتا ہے کہ خداوندا تو نے اپنے دربار کی حاضری کے لئے بُلوایا تھا اور اپنے خلیل علیہ السلام سے ندا دلوائی تھی۔ میں حاضر ہوں اور سر کے بل حاضر ہوں ۔۔۔ (لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ الخ)۔

احرام کا پہلا تلبیہ کس وقت :۔۔۔

(۱۹۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَهُ فِي الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ قَائِمَةً أَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ (ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد) جب آپ مسجد کے پاس ہی ناقہ کی رکاب میں پاؤں رکھتے اور ناقہ آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہو جاتی تو اس وقت آپ احرام کا تلبیہ پڑھتے

ــــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) صحابۂ کرام کی روایات اور ان کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں احرام کا پہلا تلبیہ کس وقت اور کس جگہ پڑھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان (جیسا کہ اس حدیث میں بھی مذکور ہے) یہ ہے کہ :۔ ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد آپ وہیں اپنی ناقہ پر سوار ہوئے، اور جب ناقہ آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت آپ نے پہلی دفعہ احرام کا تلبیہ پڑھا، اور گویا اس وقت سے آپ مُحْرِم ہوئے، اور بعض دوسرے صحابہ کا بیان ہے کہ جب آپ ناقہ پر سوار ہو کر کچھ آگے بڑھے اور مقام "بیداء" پر پہونچے (جو ذوالحلیفہ کے بالکل قریب کسی قدر بلند میدان سا تھا) تو اس وقت آپ نے پہلا تلبیہ کہا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے مسجد ذوالحلیفہ میں دوگانۂ احرام پڑھا تو اسی وقت ناقہ پر سوار ہونے سے پہلے آپ نے پہلا تلبیہ پڑھا ــــــــ سنن ابی داؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں مشہور جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیر کا ایک بیان مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صحابۂ کرام کے اس اختلاف کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انھوں نے بتایا کہ :ــــــ "اصل واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

نے مسجد ذوالحلیفہ میں دوگانۂ احرام پڑھنے کے بعد متصلاً پہلا تلبیہ پڑھا تھا، لیکن اس کا علم صرف اُن چند لوگوں کو ہوا جو اُس وقت آپ کے قریب وہاں موجود تھے، اس کے بعد جب آپ وہیں ناقہ پر سوار ہوئے اور ناقہ سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت پھر آپ نے تلبیہ پڑھا اور ناقہ پر سوار ہونے کے بعد یہ آپ کا پہلا تلبیہ تھا تو جن لوگوں نے یہ تلبیہ آپ سے سُنا اور پہلا نہیں سُنا تھا انھوں نے سمجھا کہ پہلا تلبیہ آپ نے ناقہ پر سوار ہوکر پڑھا۔ پھر جب ناقہ چلدی اور مقام بیداء پر پہونچی تو پھر آپ نے تلبیہ پڑھا، تو جن لوگوں نے پہلا اور دوسرا تلبیہ آپ سے نہیں سُنا تھا انھوں نے سمجھا کہ آپ نے پہلا تلبیہ اس وقت پڑھا جب آپ بیداء پر پہونچے" ـــــــ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے اصل حقیقت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے۔

تلبیہ بلند آواز سے پڑھا جائے: ـــــــ

(۱۶۱) عَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اٰمُرَ اَصْحَابِیْ اَنْ یَّرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالْاِهْلَالِ اَوِالتَّلْبِیَةِ۔

ـــــــ رواہ مالک والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی

(**ترجمہ**) خلاد بن سائب تابعی اپنے والد سائب بن خلاد انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- میرے پاس جبرئیل آئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم پہونچایا کہ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دوں کہ وہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھیں۔

(موطا امام مالک، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(۱۶۲) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُسْلِمٍ یُّلَبِّیْ اِلَّا لَبّٰی مَنْ عَنْ یَّمِیْنِهٖ

وَشِمَالِهِ مِنْ حَجَرٍ اَوْشَجَرٍ اَوْمَدَرٍ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الْاَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا ——— رواه الترمذی وابن ماجه

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کا مومن و مسلم بندہ جب حج یا عمرہ کا تلبیہ پکارتا ہے (اور کہتا ہے:۔ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ الخ) تو اس کے داہنی طرف اور بائیں طرف اللہ کی جو بھی مخلوق ہوتی ہے خواہ وہ بے جان پتھر اور درخت یا ڈھیلے ہی ہوں۔ وہ بھی اُس بندے کے ساتھ لَبَّيْكَ کہتی ہیں، یہاں تک کہ زمین اس طرف اور اُس طرف سے تمام ہو جاتی ہے۔

——— (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یہ حقیقت واضح طور پر قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے، لیکن اس حمد و تسبیح کو انسان نہیں سمجھ سکتے ——— بس اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ لَبَّيْكَ کہنے والے صاحب ایمان بندہ کے ساتھ اُس کے داہنے اور بائیں کی ہر چیز لَبَّيْكَ کہتی ہے، لیکن ہم انسان اس لَبَّيْكَ کو نہیں سُن سکتے۔

تلبیہ کے بعد کی خاص دُعا: ———

(۱۶۳) عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهٖ سَأَلَ اللهَ رِضْوَانَهٗ وَالْجَنَّةَ وَاسْتَعْفَاهُ بِرَحْمَتِهٖ مِنَ النَّارِ ——— رواه الشافعی

(ترجمہ) عمارہ بن خزیمہ بن ثابت انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب تلبیہ سے فارغ ہوتے (یعنی تلبیہ پڑھ کر محرم ہوتے) تو

اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنّت کی دُعا کرتے اور اس کی رحمت سے دوزخ سے
خلاصی اور پناہ مانگتے ——————— (مسند شافعی)

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر علماء نے تلبیہ کے بعد ایسی دُعا کو افضل اور مسنون کہا ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنّت کا سوال کیا جائے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگی جائے ——— ظاہر ہے کہ مومن بندہ کی سب سے بڑی حاجت اور اس کا سب سے اہم مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنّت نصیب ہوجائے، اور اللہ کے غضب اور دوزخ کے عذاب سے اس کو پناہ مل جائے۔ اس لئے اس موقع کی سب سے اہم اور مقدم دُعا یہی ہے، اس کے بعد اس کے علاوہ بھی جو چاہے دُعا کرے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَالنَّارِ۔

حجۃ الوداع یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ کا رخصتی حج :———

اِس بارے میں علماء کے اختلاف رائے کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ حج کی فرضیت کا حکم کس سنہ میں آیا، اور یہ بھی لکھا جاچکا ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ ۸ھ میں مکہ معظمہ پر اسلامی اقتدار قائم ہوجانے کے بعد ۹ھ میں حج کی فرضیت کا حکم آیا۔ اُس سال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود تو حج نہیں فرمایا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور ان کی امارت میں اس سال حج ادا ہوا، اور آئندہ کے لئے چند اہم اعلانات کئے گئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آئندہ کوئی مشرک اور کافر حج میں شرکت نہیں کرسکے گا اور جاہلیت کے گندے اور مشرکانہ طور طریقوں کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی ——— غالباً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس سال خود حج نہ کرنے کی خاص حکمت یہ بھی تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کا حج ایسا مثالی حج ہو جس میں کوئی ایک آدمی بھی کفر و شرک اور جاہلیت کے طور طریقوں سے حج کو مکدر کرنے والا نہ ہو، بلکہ

از اوّل تا آخر بس نور ہی نور اور خیر ہی خیر ہو اور آپ کی دعوت و ہدایت اور تعلیم و تربیت کے نتائج کا صحیح آئینہ ہو ـــــــ اس طرح گویا ۹ھ کا یہ حج جو صدیق اکبر کی امارت میں ادا ہوا اگلے سال ہونے والے آپ کے حج کا پیش خیمہ اور اس کی تیاری کے سلسلہ ہی کا ایک قدم تھا۔

پھر اگلے سال ۱۰ھ میں جو آپ کی حیاتِ مبارکہ کا آخری سال ہے آپ نے حج کا ارادہ فرمایا، اور چونکہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ اب دنیا میں آپ کے قیام اور کام کا وقت تھوڑا ہی باقی رہ گیا ہے اس لئے آپ نے اپنے اس ارادہ حج کی خاص اہتمام سے اطلاع اور تشہیر کرائی تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر مناسک حج اور دین کے دوسرے مسائل و احکام سیکھ سکیں اور سفر حج کی صحبت و رفاقت کی خاص برکات حاصل کر سکیں۔ چنانچہ دُور و قریب کے ہزارہا ہزار مسلمان جن کو اس کی اطلاع ہوئی اور ان کو کوئی خاص مجبوری نہیں تھی مدینۂ طیبہ آ گئے۔ ۲۴ ذیقعدہ کو جمعہ تھا اُس دن آپ نے خطبہ میں حج اور سفر حج کے متعلق خصوصیت سے ہدایتیں دیں اور اگلے دن ۲۵ ذیقعدہ ۱۰ھ بروز شنبہ بعد نماز ظہر مدینۂ طیبہ سے یہ عظیم الشان قافلہ روانہ ہوا، اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ جاکر پڑھی، جہاں آپ کو پہلی منزل کرنی تھی، اور یہیں سے احرام باندھنا تھا، رات بھی وہیں گزاری اور اگلے دن یکشنبہ کو ظہر کی نماز کے بعد آپ نے اور آپ کے صحابۂ کرام نے احرام باندھا اور مکۂ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور نویں دن ۴ ذی الحجہ کو مکۂ معظمہ میں داخل ہوئے ـــــــ رفقاءِ سفر کی تعداد میں راستہ میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔

اس سفر میں آپ کے ساتھ حج کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں روایات میں بہت اختلاف ہے۔ چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ بیس ہزار اور ایک لاکھ تیس ہزار تک کے بیانات روایتوں میں موجود ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ بڑے مجموں اور میلوں میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں لوگوں کے اندازے آج بھی مختلف ہوتے ہیں جس نے جو عدد بتایا ہے اپنے اندازے کے مطابق بتایا ہے

باقاعدہ حساب لگا کے اور شمار کر کے کسی نے بھی نہیں بتایا ہے، تاہم اتنی بات بطور قدر مشترک کے تمام ہی روایات میں ہے کہ مجمع بے حد و حساب تھا، جدھر نظر جاتی تھی آدمی ہی آدمی نظر پڑتے تھے۔

اس حج میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر خطبے دیئے اور بالکل اس انداز سے بلکہ صاف صاف یہ آگاہی دے کے یہ خطبے دیئے کہ اب میرا وقت موعود قریب ہے اور تمہیں دین کی تعلیم و تربیت مجھ سے حاصل کرنے کا موقع اس کے بعد نہیں مل سکے گا بہرحال اس پورے سفر میں آپ نے تعلیم و تلقین اور ہدایت و ارشاد کا خاص اہتمام فرمایا۔

حجۃ الوداع کے سلسلے میں جو روایات کتب حدیث میں ہیں (جن میں سے چند یہاں بھی درج کی جا رہی ہیں) ان سے حج کے مناسک و احکام اور اس کا تفصیلی طریقہ معلوم ہونے کے علاوہ دین اور شریعت کے دوسرے بہت سے ابواب اور شعبوں کے بارے میں نہایت اہم تعلیمات اور ہدایات بھی امت کو مل جاتی ہیں ——— حقیقت یہ ہے کہ قریبًا ایک مہینے کے اس سفر میں دین کی تعلیم و تبلیغ اور ہدایت و ارشاد کا اتنا کام ہوا، اور اتنے وسیع پیمانے پر ہوا کہ اس کے بغیر برسوں میں بھی انجام نہ پا سکتا ——— اسی سے بعض باتوفیق اکابر امت نے سمجھا ہے کہ دین اور برکاتِ دین حاصل کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ دینی سفروں کی رفاقت اور صحبت ہے۔

اس تمہید کے بعد حجۃ الوداع کے سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث صحیح مسلم سے نقل کی جاتی ہے، لیکن چونکہ یہ حدیث بہت طویل ہے اس لئے ناظرین کی سہولتِ فہم کے لئے اس کے ایک ایک حصہ کا ترجمہ کر کے تشریح کی جائے گی: ———

(۱۶۴) عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ فَسَأَلَ عَنِ الْقَوْمِ حَتّٰى انْتَهٰى اِلَيَّ فَقُلْتُ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ فَاَهْوٰى بِيَدِهٖ

إِلَى رَأْسِي فَنَزَعَ زِرِّي الْأَعْلَى ثُمَّ نَزَعَ زِرِّي الْأَسْفَلَ
ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ ثَدْيَيَّ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ شَابٌّ
فَقَالَ مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ أَخِي سَلْ عَمَّا شِئْتَ فَسَأَلْتُهُ
وَهُوَ أَعْمَى وَحَضَرَ وَقْتُ الصَّلٰوةِ فَقَامَ فِي نِسَاجَةٍ
مُلْتَحِفًا بِهَا كُلَّمَا وَضَعَهَا عَلَى مَنْكِبَيْهِ رَجَعَ طَرَفَاهَا
إِلَيْهِ مِنْ صِغَرِهَا وَرِدَاؤُهُ عَلَى جَنْبِهِ عَلَى الْمِشْجَبِ
فَصَلَّى بِنَا فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنْ حَجَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بِيَدِهٖ فَعَقَدَ تِسْعًا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ تِسْعَ سِنِيْنَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ
أَذَّنَ فِي النَّاسِ فِي الْعَاشِرَةِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ كُلُّهُمْ
يَلْتَمِسُ أَنْ يَأْتَمَّ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَيَعْمَلَ مِثْلَ عَمَلِهٖ فَخَرَجْنَا مَعَهٗ حَتّٰى أَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ
فَوَلَدَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي بَكْرٍ
فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ
أَصْنَعُ قَالَ اغْتَسِلِي وَاسْتَثْفِرِي بِثَوْبٍ وَأَحْرِمِي
فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ
ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى إِذَا اسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ عَلَى الْبَيْدَاءِ
نَظَرْتُ إِلَى مَدِّ بَصَرِي بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ رَاكِبٍ وَ
مَاشٍ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ مِثْلَ ذٰلِكَ وَعَنْ يَسَارِهٖ مِثْلَ
ذٰلِكَ وَمِنْ خَلْفِهٖ مِثْلَ ذٰلِكَ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا وَعَلَيْهِ يَنْزِلُ الْقُرْآنُ وَهُوَ يَعْرِفُ تَأْوِيلَهُ، وَمَا عَمِلَ مِنْ شَيْءٍ عَمِلْنَا بِهِ فَأَهَلَّ بِالتَّوْحِيدِ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، وَأَهَلَّ النَّاسُ بِهَذَا الَّذِي يُهِلُّونَ بِهِ فَلَمْ يَرُدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ شَيْئًا مِنْهُ وَلَزِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلْبِيَتَهُ ــــــ

(**ترجمہ**) جعفر بن محمد (جو سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے پرپوتے ہیں، اور امام جعفر صادق کے لقب سے معروف ہیں) اپنے والد ماجد محمد بن علی (معروف بہ امام باقر)[1] سے روایت کرتے ہیں کہ: ہم چند ساتھی جابر بن عبداللہ کی خدمت میں پہونچے، انھوں نے ہم سے دریافت کیا کہ ہم کون کون ہیں (ہم میں سے ہر ایک نے اپنے متعلق بتلایا) یہاں تک کہ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ میں محمد بن علی بن حسین ہوں (وہ اس وقت بہت بوڑھے تھے اور نابینا ہو چکے تھے انھوں نے شفقت اور محبت سے) اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا پھر میرے کرتے کی اوپر والی گھنڈی کھولی، اس کے بعد نیچے والی گھنڈی کھولی، پھر اپنا ہاتھ (کرتے کے اندر لے جاکر) میرے بیچ سینے پر رکھا، اور میں ان دنوں بالکل نوجوان لڑکا تھا اور (میرے آنے پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے) مجھ سے فرمایا: "مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ أَخِي" (مرحبا!

---

[1] محمد بن علی امام باقر ۵۶ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اگر حضرت جابرؓ سے ملاقات انھوں نے ۱۴، ۱۵ سال کی عمر میں بھی کی ہو تو اس وقت حضرت جابرؓ کی عمر قریباً نوّے سال کی ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۴ سال کی عمر میں ۷۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی، اور مشہور قول کے مطابق اہلِ مدینہ میں وہ آخری صحابی تھے جن کے انتقال کے بعد مدینہ طیبہ صحابی کے وجود سے خالی ہو گیا۔ ۱۲

اے میرے بھتیجے، میرے بھائی حسین کی یادگار!) جو کچھ تمھیں مجھ سے پوچھنا ہو بے تکلف پوچھو!
(امام باقرؒ کہتے ہیں) کہ اس اثناء میں نماز کا وقت آگیا۔ حضرت جابرؓ ایک چھوٹی سی
چادر لپیٹے ہوئے تھے، وہ اسی میں لپٹے ہوئے نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور اس کے
چھوٹے ہونے کی وجہ سے حالت یہ تھی کہ جب وہ اس کو اپنے مونڈھوں پر رکھتے تو
اس کے کنارے اٹھ کے ان کی طرف آجاتے، حالانکہ ان کی رداء (یعنی بڑی چادر)
ان کے قریب ہی کھونٹی پر رکھی ہوئی تھی (مگر انھوں نے اس کو اوڑھ کے نماز پڑھنا
ضروری نہیں سمجھا، بلکہ وہی چھوٹی سی چادر لپیٹ کر ہمیں نماز پڑھائی) نماز سے فارغ
ہونے کے بعد میں نے کہا کہ :- "مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حج (حجۃ الوداع)
کی تفصیلات بتائیے؟" ——— انھوں نے ہاتھ کی انگلیوں سے نو کی گنتی کا اشارہ
کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ :- رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آکر نو سال تک
کوئی حج نہیں کیا، پھر سنہ ۱۰ھ میں آپ نے اعلان کرایا کہ اس سال آپ کا ارادہ حج
کرنے کا ہے۔ یہ اطلاع پاکر لوگ بہت بڑی تعداد میں مدینہ آگئے۔ ہر ایک کی خواہش و
آرزو یہ تھی کہ اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ کی پوری پوری پیروی کرے
اور آپ کے نقش قدم پر چلے ——— (حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ :- پھر جب روانگی کا
دن آیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں) یہ پورا قافلہ مدینہ سے روانہ ہو کر
ذوالحلیفہ آیا، اور اس دن یہیں قیام کیا۔ یہاں پہونچ کر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ
اسماء بنت عُمیس (جو ابوبکر صدیق کی بیوی تھیں، اور وہ بھی اس قافلہ میں تھیں) ان کے
یہاں بچہ پیدا ہوا (یعنی محمد بن ابی بکر)۔ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے
دریافت کرایا کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں؟ - آپ نے فرمایا کہ :- اسی حالت میں
احرام کے لئے غسل کرلیں، اور جس طرح عورتیں ایسی حالت میں کپڑے کا لنگوٹ
استعمال کرتی ہیں اسی طرح استعمال کریں، اور احرام باندھ لیں ——— پھر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں آخری نماز (ظہر کی) پڑھی، پھر آپ اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ جب ناقہ (مسجد ذوالحلیفہ سے کچھ آگے بڑھ کر) بیداء پر پہونچی (جو ذوالحلیفہ کے قریب ہی ذرا بلند سا اور ہموار میدان سا تھا) تو میں نے اس بلندی سے ہر طرف نگاہ دوڑائی تو آگے پیچھے دائیں بائیں حد نظر تک سوار اور پیادے آدمی ہی آدمی نظر آئے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں تھے اور آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا اور آپ اس کی حقیقت اور اس کا صحیح مطلب و مدعا جانتے تھے (اس لئے آپ جو کچھ بھی کرتے تھے اللہ کے حکم اور اس کی وحی کے مطابق کرتے تھے) اور ہمارا رویہ یہ تھا کہ جو کچھ آپ کو کرتے دیکھتے تھے وہی ہم بھی کرتے تھے (تو جب آپ کی ناقہ بیداء پر پہونچی) اس وقت آپ نے بلند آواز سے توحید کا یہ تلبیہ کہا۔ ———

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

اور آپ کے رفقا صحابہ جو تلبیہ پڑھتے تھے (جس میں بعض الفاظ کا اضافہ بھی ہوتا تھا) انھوں نے اپنا وہی تلبیہ بلند آواز سے کہا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے تلبیہ کی کوئی تردید اور تغلیط نہیں کی اور خود اپنا ہی تلبیہ پڑھتے رہے (مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعض صحابہ تلبیہ میں بعض تعظیمی اور تعبدی کلمات کا اضافہ کرکے پکارتے تھے، اور چونکہ اس کی اجازت اور گنجائش ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا لیکن آپ نے اپنے تلبیہ میں کوئی کمی زیادتی نہیں فرمائی)۔

قَالَ جَابِرٌ لَسْنَا نَنْوِي إِلَّا الْحَجَّ لَسْنَا نَعْرِفُ الْعُمْرَةَ حَتّٰى إِذَا أَتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهُ اِسْتَلَمَ الرُّكْنَ فَرَمَلَ ثَلٰثًا

وَمَشٰی اَرْبَعًا ثُمَّ تَقَدَّمَ اِلٰی مَقَامِ اِبْرَاهِیْمَ فَقَرَأَ
وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّی فَجَعَلَ الْمَقَامَ
بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْبَیْتِ فَکَانَ اَبِیْ یَقُوْلُ وَلَا اَعْلَمُهٗ ذَکَرَهٗ
اِلَّا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْرَءُ
فِی الرَّکْعَتَیْنِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ یَا اَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ
ثُمَّ رَجَعَ اِلَی الرُّکْنِ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ
اِلَی الصَّفَا فَلَمَّا دَنٰی مِنَ الصَّفَا قَرَأَ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ
مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ فَبَدَأَ بِالصَّفَا فَرَقٰی
عَلَیْهِ حَتّٰی رَاَی الْبَیْتَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَوَحَّدَ اللّٰهَ
وَکَبَّرَهٗ وَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ
اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ثُمَّ
دَعَا بَیْنَ ذٰلِكَ قَالَ مِثْلَ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ نَزَلَ
وَمَشٰی اِلَی الْمَرْوَةِ فَفَعَلَ عَلَی الْمَرْوَةِ کَمَا فَعَلَ عَلَی الصَّفَا
حَتّٰی اِذَا کَانَ اٰخِرُ طَوَافٍ عَلَی الْمَرْوَةِ نَادٰی وَهُوَ عَلَی
الْمَرْوَةِ وَالنَّاسُ تَحْتَهٗ فَقَالَ لَوْ اَنِّیْ اِسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ
مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْیَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً فَمَنْ
کَانَ مِنْکُمْ لَیْسَ مَعَهٗ هَدْیٌ فَلْیَحِلَّ وَلْیَجْعَلْهَا عُمْرَةً
فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
لِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ؟ فَشَبَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ اَصَابِعَهٗ وَاحِدَةً فِی الْاُخْرٰی وَقَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ

فِی الْحَجِّ لَا بَلْ لِاَبَدٍ اَبَدٍ ـــــــــ

(ترجمہ) حضرت جابرؓ نے (حجۃ الوداع کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے) بتلایا کہ اس سفر میں ہماری نیت (اصلاً) صرف حج کی تھی (مقصد سفر کی حیثیت سے) عمرہ ہمارے ذہن میں نہیں تھا، یہاں تک کہ جب ہم سفر پورا کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ پر پہونچ گئے تو آپ نے سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کیا (یعنی قاعدے کے مطابق اس پر ہاتھ رکھ کے اس کو چوما، پھر آپ نے طواف شروع کیا) جس میں تین چکروں میں آپ نے رمل کیا (یعنی وہ خاص چال چلے جس میں قوت اور شجاعت کا اظہار ہوتا ہے) اور باقی چار چکروں میں اپنی عادت کے مطابق چلے، پھر (طواف کے سات چکر پورے کر کے) آپ مقام ابراہیمؑ کی طرف بڑھے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی :۔ "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" (اور مقام ابراہیم کے پاس نماز ادا کرو)۔ پھر اس طرح کھڑے ہو کر کہ مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا آپ نے نماز پڑھی (یعنی دوگانۂ طواف ادا کیا)۔ حدیث کے راوی امام جعفر صادقؒ بیان کرتے ہیں کہ :۔ میرے والد ذکر کرتے تھے کہ ان دو رکعتوں میں آپ نے :۔ "قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کی قرأت کی ـــــــ اس کے بعد آپ پھر حجر اسود کی طرف واپس آئے اور پھر اس کا استلام[1] کیا، پھر ایک دروازہ سے (سعی کے لئے) صفا پہاڑی کی طرف چلے گئے، اور اس کے بالکل قریب پہونچ کر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ

---

[1] یہ استلام سعی کے لئے تھا، جس طرح بیت اللہ کا طواف حجر اسود کے استلام سے شروع کیا جاتا ہے اسی طرح سعی سے پہلے بھی استلام مسنون ہے۔ ۱۲

مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ" (بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں جن کے درمیان سعی کا حکم ہے) ــــ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ــــ "میں اسی صفا سے سعی شروع کرتا ہوں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے کیا ہے" ــــ چنانچہ آپ پہلے صفا پر آئے اور اس حد تک اس کی بلندی پر چڑھے کہ بیت اللہ آپ کی نظر کے سامنے آگیا، اُس وقت آپ قبلہ کی طرف رخ کرکے کھڑے ہوگئے اور اللہ کی توحید اور تکبیر و تحمید میں مصروف ہوگئے۔ آپ نے کہا: ــــ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ" (اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں، وہی تنہا معبود و مالک ہے، کوئی اس کا شریک ساجھی نہیں، ساری کائنات پر اسی کی فرماں روائی ہے، اور حمد و ستائش اسی کا حق ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی تنہا مالک و معبود ہے۔ اس نے (مکہ پر اور سارے عرب پر اقتدار بخشنے اور اپنے دین کو سربلند کرنے کا) اپنا وعدہ پورا فرمادیا، اپنے بندے کی اس نے بھرپور مدد فرمائی، اور کفر و شرک کے لشکروں کو اس نے تنہا اُسی نے شکست دی) ــــ

آپ نے تین دفعہ یہ کلمات فرمائے اور ان کے درمیان میں دُعا مانگی۔ اس کے بعد آپ اُتر کے مروہ کی طرف چلے، یہاں تک کہ جب آپ کے قدم وادی کے نشیب میں پہونچے تو آپ کچھ دوڑ کے چلے پھر جب آپ نشیب سے اوپر آگئے تو پھر اپنی عام رفتار کے مطابق چلے، یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آگئے اور یہاں آپ نے بالکل وہی کیا جو صفا پر کیا تھا یہاں تک کہ جب آپ آخری پھیرا پورا کرکے مروہ پر پہونچے، آپ نے اپنے رفقا صحابۂ کرام کو مخاطب کرکے فرمایا: ــــ اگر پہلے سے میرے خیال میں وہ بات آجاتی جو بعد میں آئی تو میں قربانی کے جانور مدینہ سے ساتھ نہ لاتا اور اس طواف و سعی کو جو میں نے کیا ہے

عمرہ بنادیتا ــــــ تو اب میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم میں سے جن کے ساتھ قربانی کے
جانور نہیں آئے ہیں وہ اپنا احرام ختم کردیں اور اب تک جو طواف وسعی انھوں نے کی
اس کو عمرہ بنادیں ــــــ آپ کا یہ ارشاد سن کر سُراقہ بن مالک نے عرض کیا۔
یا رسول اللہ! کیا یہ حکم کہ اشہرِ حج (حج کے مہینوں) میں عمرہ کیا جائے خاص اسی سال
کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے یہی حکم ہے ــــــ آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی
انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا کہ: ــــــ "دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ
فِي الْحَجِّ، لَا بَلْ لِأَبَدِ أَبَدٍ" (عمرہ حج میں داخل ہوگیا، خاص اسی سال
کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے)۔

(تشریح) آپ نے مروہ پر سعی کے خاتمہ پر یہ جو بات فرمائی کہ: ــــــ "جو لوگ
قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں وہ اپنے طواف وسعی کو عمرہ قرار دے دیں، اور میں بھی
اگر قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو ایسا ہی کرتا" ــــــ اس کا مطلب اور اس کی
حقیقت سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ زمانۂ جاہلیت میں حج اور عمرہ کے سلسلہ میں
جو اعتقادی اور عملی غلطیاں رُواج پاکر دلوں میں راسخ ہوچکی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ
شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ جو اَشْهُرِ حَج (یعنی حج کے مہینے) کہلاتے ہیں (کیونکہ حج کا سفر
انہی مہینوں میں ہوتا ہے) ان مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ سمجھا جاتا تھا، حالانکہ یہ بات بالکل غلط
اور من گھڑت تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شروع سفر ہی میں وضاحت کے ساتھ
لوگوں کو یہ بات بتادی تھی کہ جس کا جی چاہے صرف حج کا احرام باندھے (جس کو اصطلاح میں
اِفراد کہتے ہیں) اور جس کا جی چاہے شروع میں صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ معظمہ میں
عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کے لئے دوسرا احرام باندھے (جس کو تمتع کہتے ہیں) اور جس کا
جی چاہے حج وعمرہ دونوں کا مشترک احرام باندھے اور ایک ہی احرام سے دونوں کو ادا کرنے
کی نیت کرے (جس کو قِران کہتے ہیں) ــــــ آپ کا یہ ارشاد سننے کے بعد صحابہ کرام میں

غالباً چند ہی نے اپنے خاص حالات کے لحاظ سے تمتع کا ارادہ کیا، اور انھوں نے ذوالحلیفہ میں صرف عمرہ کا احرام باندھا ــــــ ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ورنہ زیادہ تر صحابہ نے صرف حج کا یا حج و عمرہ دونوں کا مشترک احرام باندھا۔ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا احرام باندھا یعنی "قران" اختیار فرمایا۔ اس کے علاوہ اپنی قربانی کے جانور (اونٹ) بھی آپ مدینہ طیبہ ہی سے ساتھ لے کر چلے، اور جو حاجی قربانی کے جانور ساتھ لے کر چلے وہ اس وقت تک احرام ختم نہیں کر سکتا جب تک دسویں ذی الحجہ کو قربانی نہ کر دے۔ اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابۂ کرام جو آپ کی طرح اپنی قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے حج سے پہلے (یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی کرنے سے پہلے) احرام سے باہر نہیں آسکتے تھے، لیکن جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے اُن کے واسطے یہ شرعی مجبوری نہیں تھی۔

مکۂ معظمہ پہونچ کر آپ کو اس کا احساس زیادہ ہوا کہ یہ جو جاہلانہ بات لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ ہے اس کی تردید اور بیخ کنی کے لئے اور دماغوں سے اس کے جراثیم ختم کرنے اور دلوں سے اس کے اثرات کو دھونے کیلئے ضروری ہے کہ وسیع پیمانے پر اس کے خلاف عمل کر کے دکھایا جائے، اور اس کی ممکن صورت یہی تھی کہ آپ کے ساتھیوں میں سے زیادہ سے زیادہ لوگ جو آپکے ساتھ طواف اور سعی کر چکے تھے اس طواف اور سعی کو عمرہ قرار دے کے احرام ختم کر دیں اور حلال ہو جائیں اور حج کے لئے اس کے وقت پر دوسرا احرام باندھیں، اور خود آپ چونکہ قربانی کے جانور ساتھ لے کے آئے تھے اس لئے آپ کے لئے اس کی گنجائش نہیں تھی، اس لئے آپ نے فرمایا کہ: ــــــ "اگر شروع میں مجھے اس بات کا احساس ہو جاتا جس کا احساس بعد میں ہوا تو میں اپنے ساتھ قربانی کے جانور نہ لاتا، اور جو طواف و سعی میں نے کی ہے اس کو مستقل عمرہ قرار دے کر یہ احرام ختم کر دیتا (لیکن میں تو قربانی کے جانور ساتھ لانے کی وجہ سے ایسا کرنے سے مجبور ہوں، اس لئے آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ)

آپ میں سے جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں وہ اپنے اس طواف وسعی کو مستقل عمرہ قرار دے دیں اور اپنا احرام ختم کر کے حلال ہو جائیں" ——— آپ کا یہ ارشاد سُن کر سُراقہؓ بن مالک کھڑے ہو گئے، چونکہ وہ اب تک یہی جانتے تھے کہ حج کے مہینوں میں مستقل عمرہ کرنا سخت گناہ کی بات ہے اس لئے انھوں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ:- ان دنوں میں مستقل عمرہ کرنے کا یہ حکم کیا صرف اسی سال کے لئے ہے یا اب ہمیشہ کے لئے مسئلہ یہی ہے کہ اشہرِ حج میں مستقل عمرہ کیا جا سکتا ہے؟۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اچھی طرح سمجھانے اور اُن کے ذہن نشین کرنے کے لئے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا:- ———

" دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ " (حج میں عمرہ اس طرح داخل ہو گیا) یعنی حج کے مہینوں میں اور ایامِ حج کے بالکل قریب بھی عمرہ کیا جا سکتا ہے، اور اس کو گناہ سمجھنے والی بات بالکل غلط اور جاہلانہ ہے، اور یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

وَقَدِمَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ بِبُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ فَاطِمَةَ مِمَّنْ حَلَّ وَلَبِسَتْ ثِيَابًا صَبِيغًا وَاكْتَحَلَتْ فَأَنْكَرَ ذَالِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ اِنَّ اَبِيْ اَمَرَنِيْ بِهٰذَا) فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاذَا قُلْتَ حِيْنَ فَرَضْتَ الْحَجَّ

ل یہ وہی سراقہ ہیں جنھوں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مکّہ سے ہجرت فرمانے کے بعد آپ کو معاذ اللہ گرفتار کرنے اور اس کا انعام حاصل کرنے کے لئے اپنے ایک غلام کی نشان دہی پر آپ کا تعاقب کیا تھا اور آپ کے قریب پہونچ جانے پر ان کی گھوڑی کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے، اور ان کی درخواست پر جب رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی تھی تو گھوڑی صحیح سلامت نکل آئی تھی اور یہ کہہ واپس لوٹ گئے تھے۔ ۸ھ تک یہ مکّہ معظمہ میں کفر و شرک ہی پر قائم رہے، پھر مکّہ معظمہ فتح ہونے کے بعد عام اہلِ مکہ کی طرح انھوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ۱۲

قَالَ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُهِلُّ بِمَا اَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ قَالَ فَاِنَّ مَعِیَ الْهَدْیَ فَلَا تَحِلَّ قَالَ فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْیِ الَّذِیْ قَدِمَ بِهٖ عَلِیٌّ مِنَ الْیَمَنِ وَالَّذِیْ اَتٰی بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِائَةً قَالَ فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَقَصَّرُوْا اِلَّا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ مَنْ كَانَ مَعَهٗ هَدْیٌ ـــــــ

(ترجمہ) اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (جو زکوٰۃ اور دوسرے مطالبات کی وصولی وغیرہ کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یمن گئے ہوئے تھے) وہاں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قربانی کیلئے مزید جانور لے کر مکۂ معظمہ پہونچے، انھوں نے اپنی بیوی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو چکی ہیں، اور رنگین کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور سرمہ بھی استعمال کیا ہے، تو انھوں نے اُن کے اس رَویّہ کو بہت غلط سمجھا اور ناگواری کا اظہار کیا (اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اُن سے کہا کہ:۔ تم کو کس نے یہ کہا تھا کہ تم احرام ختم کر کے حلال ہو جاؤ) حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ:۔ مجھے ابا جان (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) نے یہ حکم دیا تھا (میں نے اس کی تعمیل میں ایسا کیا ہے) ـــــــ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ:۔ جب تم نے حج کی نیت کی اور تلبیہ کہہ کے احرام باندھا تو اس وقت تم نے کیا کہا تھا؟ (یعنی اِفراد کے طریقے پر صرف حج کی نیت کی تھی یا تمتع کے طریقے پر صرف عمرہ کی یا قِران کے طریقے پر دونوں کی ساتھ ساتھ نیت کی تھی؟) انھوں نے عرض کیا کہ:۔ میں نے نیت اس طرح کی تھی کہ:۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُهِلُّ بِمَا اَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ" (اے اللہ! میں احرام باندھتا ہوں اُس چیز کا جس کا احرام باندھا ہو تیرے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے) ۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ میں چونکہ

قربانی کے جانور ساتھ لایا ہوں (اور اس کی وجہ سے اب حج سے پہلے احرام ختم کرنے کی میرے لئے گنجائش نہیں ہے، اور تم نے میرے جیسے احرام کی نیت کی ہے) اس لئے تم بھی میری طرح احرام ہی کی حالت میں رہو ــــــ آگے حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے جو جانور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لے کے آئے تھے اور جو بعد میں آپ کے لئے حضرت علیؓ یمن سے لے کر آئے ان کی مجموعی تعداد سو تھی (بعض روایات سے تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ ۶۳ اونٹ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے اور ۳۷ حضرت علیؓ یمن سے لائے تھے) ــــــ حضرت جابرؓ نے آگے بیان کیا کہ :ــــ

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق تمام اُن صحابہ نے احرام ختم کر دیا جو قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے اور صفا مروہ کی سعی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے سروں کے بال ترشوا کے وہ سب حلال ہو گئے اور جو طواف وسعی انھوں نے کی تھی اس کو مستقل عمرہ قرار دے دیا بس رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابہ حالتِ احرام میں رہے جو اپنی قربانیاں ساتھ لائے تھے۔

(**تشریح**) جن صحابہ نے آپ کی ہدایت اور حکم کے مطابق اپنا احرام ختم کیا انھوں نے اس موقع پر بال منڈوائے نہیں بلکہ صرف ترشوائے، ایسا انھوں نے غالباً اس لئے کیا کہ منڈوانے کی فضیلت حج کے احرام کے خاتمہ پر حاصل کر سکیں۔ واللہ اعلم

فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوْا اِلٰى مِنًى فَاَهَلُّوْا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ مَكَثَ قَلِيْلًا حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَاَمَرَ بِقُبَّةٍ مِنْ شَعَرٍ تُضْرَبُ لَهٗ بِنَمِرَةَ فَسَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَشُكُّ قُرَيْشٌ اِلَّا اَنَّهٗ وَاقِفٌ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ

كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاجَازَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَتٰى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهٗ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا۔

(ترجمہ) پھر جب یوم الترویہ (یعنی ۸ ذی الحجہ کا دن) ہوا تو سب لوگ منیٰ جانے لگے (اور جو صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صفا مروہ کی سعی کر کے اپنا احرام ختم کر چکے تھے اور حلال ہو گئے تھے) انھوں نے حج کا احرام باندھا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ پر سوار ہو کر منیٰ کو چلے، پھر وہاں پہونچ کر آپ نے (اور صحابۂ کرام نے مسجد خیف میں) ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچوں نمازیں پڑھیں، پھر فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر آپ منیٰ میں اور ٹھہرے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپ عرفات کی طرف روانہ ہوئے، اور آپ نے حکم دیا تھا کہ صوف کا بنا ہوا خیمہ آپ کے لئے نَمِرَہ میں نصب کیا جائے (نمرہ در اصل وہ جگہ ہے جہاں سے آگے عرفات کا میدان شروع ہوتا ہے) آپ کے خاندان قریش کے لوگوں کو اس کا یقین تھا اور اس کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا کہ آپ "مشعر حرام" کے پاس قیام کریں گے، جیسا کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے (لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ) آپ مشعر حرام کے حدود سے آگے بڑھ کے عرفہ پہونچ گئے اور آپ نے دیکھا کہ (آپ کی ہدایت کے مطابق) نمرہ میں آپ کا خیمہ نصب کر دیا گیا ہے تو آپ اس خیمہ میں اتر گئے۔

(تشریح) حج کی خاص نقل وحرکت کا سلسلہ ۸ ذی الحجہ سے شروع ہوتا ہے جس کو "یوم الترویہ" کہا جاتا ہے۔ اس دن صبح کو حجاج منیٰ کے لئے روانہ ہوتے ہیں، افراد یا قران کے طریقے پر حج کرنے والے تو پہلے سے احرام کی حالت میں ہوتے ہیں، ان کے علاوہ اور حجاج اسی دن یعنی ۸ ذی الحجہ کو احرام باندھ کے منیٰ کو جاتے ہیں اور نویں کی صبح تک وہیں قیام کرتے ہیں ــــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ بعض صحابہؓ جو اپنی قربانیاں

اپنے ساتھ لائے تھے وہ تو احرام کی حالت میں تھے، باقی صحابہ جنھوں نے عمرہ کرکے احرام ختم کردیا تھا اُن سب نے آٹھویں کی صبح کو حج کا احرام باندھا اور حج کا یہ سارا قافلہ منیٰ کو روانہ ہوگیا، اور اس دن وہیں قیام کیا، اور پھر نویں کی صبح کو سورج نکلنے کے بعد عرفات کے لئے روانگی ہوئی۔ عرفات منیٰ سے قریباً ۶ میل اور مکہ سے قریباً ۹ میل ہے اور یہ حدودِ حرم سے باہر ہے، بلکہ اس جانب میں حرم کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہوتا ہے ——

عرب کے عام قبائل جو حج کے لئے آتے تھے وہ سب نویں ذی الحجہ کو حدودِ حرم سے باہر نکل کے عرفات میں وقوف کرتے تھے، لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندان والے یعنی قریش جو اپنے کو کعبہ کا مجاور و متولی اور "اہلِ حرم اللہ" کہتے تھے وہ وقوف کے لئے بھی حدودِ حرم سے باہر نہیں نکلتے تھے، بلکہ اس کی حد کے اندر رہی مزدلفہ کے علاقہ میں مشعر حرام پہاڑی کے پاس وقوف کرتے تھے اور اس کو اپنا امتیاز سمجھتے تھے۔ اپنے اس پرانے خاندانی دستور کی بنا پر قریش کو یقین تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی مشعر حرام کے پاس ہی وقوف کریں گے لیکن چونکہ ان کا یہ طریقہ غلط تھا اور وقوف کی صحیح جگہ عرفات ہی ہے، اس لئے آپ نے منیٰ سے چلتے وقت ہی اپنے لوگوں کو ہدایت فرمادی تھی کہ: آپ کے قیام کے لئے خیمہ نمرہ[1] میں نصب کیا جائے۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق وادیٔ نمرہ ہی میں آپ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا، اور آپ وہیں جاکر اُترے، اور اُس خیمہ میں قیام فرمایا۔

حَتّٰی إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ

لَهُ فَأَتٰی بَطْنَ الْوَادِيْ فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ إِنَّ دِمَاءَ كُمْ

---

[1] نمرہ ٹھیک وہ جگہ ہے جہاں حرم کی حد ختم ہوکر عرفات کی حد شروع ہوتی ہے۔ موجودہ مسجد نمرہ عرفات کے بالکل سرے پر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی جو دیوار مکہ کی جانب ہے وہ عرفات اور نمرہ کے درمیان حد فاصل ہو، حتیٰ کہ اگر خدانہ کردہ وہ دیوار باہر کی جانب گرے تو عرفات کی حد سے باہر وادیٔ نمرہ میں گرے گی۔ ۱۲

وَاَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ
هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اَلَا كُلُّ شَيْئٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ
قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ
اَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ ابْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا
فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَهُ هُذَيْلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ
وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
فَاِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ وَاِنَّكُمْ اَخَذْ
تُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ
وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ
فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ
عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَقَدْ تَرَكْتُ
فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ كِتَابَ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ
تُسْئَلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ؟ قَالُوْا نَشْهَدُ اَنَّكَ
قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ
يَرْفَعُهَا اِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا اِلَى النَّاسِ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ
اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ اَقَامَ
فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ
بَيْنَهُمَا شَيْئًا۔

(ترجمہ) یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے اپنی ناقہ قصواء پر کجاوا
کسنے کا حکم دیا، چنانچہ اس پر کجاوا کس دیا گیا، آپ اس پر سوار ہو کر وادی (وادئ عرنہ)
کے درمیان آئے، اور آپ نے اونٹنی کی پشت ہی پر سے لوگوں کو خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ۔

"لوگو! تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں (یعنی ناحق کسی کا خون کرنا اور ناجائز طریقے پر کسی کا مال لینا تمہارے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے) بالکل اسی طرح جس طرح کہ آج یوم العرفہ کے دن ذی الحجہ کے اس مبارک مہینہ میں اپنے اس مقدس شہر مکہ میں (تم ناحق کسی کا خون کرنا اور کسی کا مال لینا حرام جانتے ہو) ——— خوب ذہن نشین کر لو کہ جاہلیت کی ساری چیزیں (یعنی اسلام کی روشنی کے دور سے پہلے تاریکی اور گمراہی کے زمانہ کی ساری باتیں اور سارے قصے ختم ہیں) میرے دونوں قدموں کے نیچے دفن اور پامال ہیں (میں ان کے خاتمہ اور منسوخی کا اعلان کرتا ہوں) اور زمانۂ جاہلیت کے خون بھی ختم ہیں معاف ہیں (یعنی اب کوئی مسلمان زمانۂ جاہلیت کے کسی خون کا بدلا نہیں لے گا) اور سب سے پہلے میں اپنے گھرانے کے ایک خون ربیعہ ابن الحارث بن عبدالمطلب کے فرزند کے خون کے ختم اور معاف کئے جانے کا اعلان کرتا ہوں جو قبیلۂ بنی سعد کے ایک گھر میں دودھ پینے کے لئے رہتے تھے ان کو قبیلۂ ہذیل کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا[1] ہذیل سے اس خون کا بدلہ لینا ابھی باقی تھا لیکن اب میں اپنے خاندان کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اب یہ قصہ ختم، بدلہ نہیں لیا جائے گا) اور زمانۂ جاہلیت کے سارے سودی مطالبات (جو کسی کے کسی کے ذمہ باقی ہیں وہ سب بھی) ختم اور سوخت ہیں (اب کوئی مسلمان کسی سے اپنا سود کا مطالبہ وصول نہیں کرے گا) اور اس باب میں بھی میں سب سے پہلے اپنے خاندان کے سودی مطالبات میں سے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب

---

[1] ربیعہ بن الحارث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے ان کا ایک شیرخوار بچہ جس کو عرب کے دستور کے مطابق قبیلۂ بنی سعد کی ایک عورت نے دودھ پلانے کے لئے اپنے گھر رکھ لیا تھا، قبیلۂ ہذیل کے آدمیوں کے ہاتھ سے بنی سعد اور ہذیل کے ایک جھگڑے میں قتل ہو گیا تھا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ کے گھرانے کو اس کا بدلہ لینے کا حق تھا، آپ نے اس خطبہ میں اسی حق سے دستبرداری کا اعلان فرمایا تھا۔ ۱۲

کے سودی مطالبات کے ختم اور سوخت ہونے کا اعلان کرتا ہوں اب وہ کسی سے اپنا سودی مطالبہ وصول نہیں کریں گے، ان کے سارے سودی مطالبات آج ختم کر دیئے گئے ـــــ

اور اے لوگو! عورتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں خدا سے ڈرو، اس لئے کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور اللہ کے حکم اور اس کے قانون سے اُن کے ساتھ تمتع تمہارے لئے حلال ہوا ہے، اور تمہارا خاص حق اُن پر یہ ہے کہ جس آدمی کا گھر میں آنا اور تمہاری جگہ اور تمہارے بستر پر بیٹھنا تم کو پسند نہ ہو وہ اس کو اس کا موقع نہ دیں ـــــ لیکن اگر وہ یہ غلطی کریں تو تم تنبیہ اور آئندہ سد باب کیلئے اگر کچھ سزا دینا مناسب اور مفید سمجھو، ان کو کوئی خفیف سی سزا دے سکتے ہو ـــ

اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ اپنے مقدور اور حیثیت کے مطابق ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرو ـــــ اور میں تمہارے لئے وہ سامان ہدایت چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی پیروی کرتے رہے تو پھر کبھی تم گمراہ نہ ہوگے ـــ وہ ہے "کتاب اللہ" ـــــ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا (کہ میں نے تم کو اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام پہنچائے یا نہیں)۔ تو بتاؤ! کہ وہاں تم کیا کہو گے اور کیا جواب دو گے؟ ـــــ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں اور قیامت کے دن بھی گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کے احکام ہم کو پہنچا دیئے اور رہنمائی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور نصیحت و خیرخواہی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا ـــــ اس پر آپ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کے مجمع کی طرف اس سے اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا: ـــ

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ!! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ!!! "یعنی اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچا دیئے اور تیرے یہ بندے اقرار کر رہے ہیں ـــــ اس کے بعد (آپ کے حکم سے) حضرت بلالؓ

نے اذان دی، پھر اقامت کہی، اور آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد پھر بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور آپ نے عصر کی نماز پڑھائی۔

(تشریح) یہ معلوم ہے کہ اس دن (یعنی اس سال وقوف عرفہ کے دن) جمعہ تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زوالِ آفتاب کے بعد پہلے مندرجۂ بالا خطبہ دیا، اس کے بعد ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں (ظہر ہی کے وقت میں) ساتھ ساتھ بلا فصل پڑھیں۔ حدیث میں صاف ظہر کا ذکر ہے، جس سے ظاہر ہے کہ آپ نے اس دن جمعہ کی نماز نہیں پڑھی، بلکہ اس کے بجائے ظہر پڑھی، اور جو خطبہ آپ نے دیا وہ جمعہ کا خطبہ نہیں تھا، بلکہ یوم العرفات کا خطبہ تھا ——— جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ عرفات کوئی آبادی اور بستی نہیں ہے، بلکہ ایک وادی اور صحرا ہے، اور جمعہ بستیوں اور آبادیوں میں پڑھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

یوم العرفہ کے اس خطبہ میں آپ نے جو ہدایات دیں اس وقت اور اس مجمع میں انہی چیزوں کا اعلان اور تبلیغ و تلقین ضروری اور اہم تھی ——— خطبہ کے بعد آپ نے ظہر و عصر ایک ساتھ ظہر ہی کے وقت میں ادا فرمائیں اور درمیان میں سنّت یا نفل کی دو رکعتیں بھی نہیں پڑھیں ——— امّت کا اس پر اتفاق ہے کہ وقوف عرفات کے دن یہ دونوں نمازیں اسی طرح پڑھی جائیں، اور اسی طرح مغرب و عشا اس دن مزدلفہ پہونچ کر عشا کے وقت میں ایک ساتھ پڑھی جائیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا جیسا کہ آگے معلوم ہوگا ——— اس دن ان نمازوں کا صحیح طریقہ اور ان کے صحیح اوقات یہی ہیں ——— اس کی ایک حکمت تو یہ ہو سکتی ہے کہ اس دن کا یہ امتیاز ہر خاص و عام کو معلوم ہو جائے کہ آج کے دن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمازوں کے اوقات میں بھی یہ تبدیلی کر دی گئی ہے ——— اور دوسری حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس دن کا اصل وظیفہ جو ذکر اور دعا ہے اس کے لئے پوری یکسوئی کے ساتھ بندہ فارغ رہے، اور ظہر سے مغرب تک بلکہ عشا تک کسی نماز کی بھی فکر نہ ہو۔

آپ نے یوم العرفات کے اس خطبہ میں جو اپنے موقع اور محل کے لحاظ سے آپ کی حیاتِ طیبہ

کا سب سے اہم خطبہ کہا جا سکتا ہے۔ سب سے آخری بات اپنی وفات اور جدائی کے قرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمائی کہ: "میں تمہارے لئے ہدایت و روشنی کا وہ کامل و مکمل سامان چھوڑ کر جاؤں گا جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے بشرطیکہ تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی روشنی میں چلتے رہے، اور وہ ہے اللہ کی مقدس کتاب قرآن مجید"۔۔۔۔۔۔ اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مرضِ وفات کے آخری دنوں میں جبکہ شدّتِ مرض کی وجہ سے آپ کو سخت تکلیف تھی آپ نے بطور وصیت کے ایک تحریر لکھانے کا جو خیال ظاہر کیا تھا جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ: "تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو گے" اس میں آپ کیا لکھانا چاہتے تھے۔ حجۃ الوداع کے اس اہم خطبہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کتاب اللہ سے وابستگی اور اس کی پیروی کی وصیت لکھانا چاہتے تھے۔ آپ اس اہم خطبہ میں بھی بتا چکے تھے کہ یہ شان کتاب اللہ کی ہے، اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے آشنا تھے اور اللہ نے موقع پر بات کہنے کی جرأت بھی دی تھی اس لئے انھوں نے اس موقع پر یہ رائے ظاہر کی کہ آپ کی مسلسل تعلیم و تربیت سے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حیثیت کتاب اللہ کی ہے اس لئے اس سخت تکلیف کی حالت میں وصیت لکھنے لکھانے کی زحمت کیوں فرمائی جائے، ہمیں آپ کا پڑھایا ہوا سبق یاد ہے اور یاد رہے گا "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ"

ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰى أَتَى الْمَوْقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ إِلَى الصَّخَرَاتِ وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيلًا حَتّٰى غَابَ الْقُرْصُ وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ وَدَفَعَ حَتّٰى أَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلّٰى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ فَصَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ

حَتّٰی اَتَی الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهُ

وَهَلَّلَهُ وَوَحَّدَهُ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰی اَسْفَرَ جِدًّا فَدَفَعَ قَبْلَ

اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَاَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ حَتّٰی اَتٰی بَطْنَ

مُحَسِّرٍ فَحَرَّكَ قَلِيْلًا ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيْقَ الْوُسْطٰی الَّتِیْ تَخْرُجُ

عَلَی الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰی حَتّٰی اَتَی الْجَمْرَةَ الَّتِیْ عِنْدَ الشَّجَرَةِ

فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا مِثْلَ حَصَی الْخَذْفِ

رَمٰی مِنْ بَطْنِ الْوَادِیْ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَی الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ ثَلٰثًا وَّ

سِتِّيْنَ بُدْنَةً بِيَدِهٖ ثُمَّ اَعْطٰی عَلِيًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ وَاَشْرَكَهُ

فِیْ هَدْيِهٖ ثُمَّ اَمَرَ مِنْ كُلِّ بُدْنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَجُعِلَتْ فِیْ قِدْرٍ

فَطُبِخَتْ فَاَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا وَشَرِبَا مِنْ مَرَقِهَا ثُمَّ رَكِبَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَفَاضَ اِلَی الْبَيْتِ فَصَلّٰی

بِمَكَّةَ الظُّهْرَ فَاَتٰی عَلٰی بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَسْقُوْنَ عَلٰی

زَمْزَمَ فَقَالَ انْزِعُوْا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَوْلَا اَنْ يَّغْلِبَكُمُ

النَّاسُ عَلٰی سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ فَنَاوَلُوْهُ دَلْوًا

فَشَرِبَ مِنْهُ ——————— رواہ مسلم

(ترجمہ) پھر (جب آپ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ بلا فصل پڑھ چکے تو اپنی ناقہ پر سوار ہو کر آپ میدانِ عرفات میں خاص وقوف کی جگہ پر تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء کا رُخ آپ نے اس طرف کر دیا جدھر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور پیدل مجمع آپ نے اپنے سامنے کر لیا اور آپ قبلہ رو ہو گئے اور وہیں کھڑے رہے یہاں تک کہ غروب آفتاب کا وقت آگیا، اور (شام کے آخری وقت میں فضا جو زرد ہوتی ہے وہ) زردی بھی ختم ہو گئی، اور آفتاب بالکل ڈوب گیا، تو آپ (عرفات سے مزدلفہ کے لئے) روانہ ہوئے، اور

اُسامہ بن زید کو آپ نے اپنی ناقہ پر اپنے پیچھے سوار کر لیا تھا یہاں تک کہ آپ مزدلفہ آ گئے (جو عرفات سے قریباً تین میل ہے) یہاں پہونچ کر آپ نے مغرب اور عشا کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ (یعنی اذان ایک ہی دفعہ کہی گئی اور اقامت مغرب کے لئے الگ کہی گئی اور عشا کے لئے الگ کہی گئی) اور ان دونوں نمازوں کے درمیان بھی آپ نے سنّت یا نفل کی رکعتیں بالکل نہیں پڑھیں، اس کے بعد آپ لیٹ گئے، اور لیٹے رہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی اور فجر کا وقت آ گیا، تو آپ نے صبح صادق کے ظاہر ہوتے ہی اذان اور اقامت کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی، اس کے بعد آپ مشعرِ حرام کے پاس آئے (راجح قول کے مطابق یہ ایک بلند ٹیلہ سا تھا مزدلفہ کے حدود میں، اب بھی یہی صورت ہے اور وہاں نشانی کے طور پر ایک عمارت بنا دی گئی ہے) یہاں آ کر آپ قبلہ رو کھڑے ہوئے اور دعا اور اللہ کی تکبیر و تہلیل اور توحید و تمجید میں مشغول رہے، یہاں تک کہ خوب اُجالا ہو گیا پھر طلوعِ آفتاب سے ذرا پہلے آپ وہاں سے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے اور اس وقت آپ نے اپنی ناقہ کے پیچھے فضل بن عباس کو سوار کر لیا اور چل دیئے، یہاں تک کہ جب وادیِ مُحَسِّر کے درمیان پہونچے تو آپ نے اونٹنی کی رفتار کچھ تیز کر دی، پھر اس سے نکل کر اُس درمیان والے راستہ سے چلے جو بڑے جمرہ پر پہونچتا ہے، پھر اُس جمرہ کے پاس پہونچ کر جو درخت کے پاس ہے آپ نے اس پر رمی کی، سات سنگ ریزے اُس پر پھینک کے مارے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ آپ تکبیر کہتے تھے، یہ سنگ ریزے "خذف کے سنگریزوں" کی طرح کے تھے (یعنی چھوٹے چھوٹے تھے جیسے کہ انگلیوں میں رکھ کر پھینکے جاتے ہیں جو قریباً چنے اور مٹر کے دانے کے برابر ہوتے ہیں) آپ نے جمرہ پر یہ سنگ ریزے (جمرہ کے قریب والی) نشیبی جگہ سے پھینک کے مارے، اور اس رمی سے فارغ ہو کر قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، وہاں آپ نے ترسٹھ[۶۳] اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کی، پھر جو باقی رہے وہ حضرت علیؓ کے حوالہ فرما دیئے ان سب کی قربانی انھوں نے کی، اور آپ نے ان کو اپنی قربانی میں شریک فرمایا۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ قربانی کے

ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک پارچہ لے لیا جائے، یہ سارے پارچے ایک دیگ میں ڈال کے پکائے گئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ دونوں نے اس میں سے گوشت کھایا اور شوربا پیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ پر سوار ہو کر طواف زیارت کیلئے بیت اللہ کی طرف چل دیئے اور ظہر کی نماز آپ نے مکہ میں جا کر پڑھی، نماز سے فارغ ہو کے (اپنے اہلِ خاندان) بنی عبدالمطلب کے پاس آئے جو زمزم سے پانی کھینچ کھینچ کے لوگوں کو پلا رہے تھے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ:۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ دوسرے لوگ غالب آکر تم سے یہ خدمت چھین لیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول کھینچتا۔ ان لوگوں نے آپ کو بھر کے ایک ڈول زمزم کا دیا تو آپ نے اس میں سے نوش فرمایا ——————— (صحیح مسلم)

(تشریح) حج کے سلسلہ کا سب سے بڑا عمل اور رکنِ اعظم "وقوفِ عرفہ" ہے یعنی ۹ر ذی الحجہ کو بعد زوال ظہر و عصر کی نماز پڑھ کے میدانِ عرفات میں اللہ کے حضور میں کھڑا ہونا۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ وقوف کتنا طویل فرمایا تھا ——————— ظہر و عصر کی نماز آپ نے ظہر کے شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی اور اس وقت سے لے کر غروب آفتاب تک آپ نے وقوف فرمایا اور اس کے بعد سیدھے مزدلفہ چل دیئے اور مغرب و عشا آپ نے وہاں پہونچ کر ایک ساتھ ادا فرمائیں اور جیسا کہ گزر چکا یہی اس دن کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

مزدلفہ کی اس رات میں آپ نے عشا سے فارغ ہو کر فجر تک آرام فرمایا، اور اس رات تہجد یکسر ناغہ کیا، دو رکعتیں بھی نہیں پڑھیں (حالانکہ تہجد آپ سفر میں بھی ناغہ نہیں کرتے تھے) اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ نویں کے پورے دن آپ سخت مشغول رہے تھے۔ صبح کو منیٰ سے چل کر عرفات پہونچے، جہاں پہلے خطبہ دیا، پھر ظہر و عصر کی نماز پڑھی، اور اس کے بعد سے مغرب تک مسلسل وقوف فرمایا، پھر اسی وقت عرفات سے مزدلفہ تک کی مسافت طے کی، گویا فجر سے لے کر عشا تک مسلسل حرکت اور مشقت، اور اگلے دن ۱۰ر ذی الحجہ کو بھی اسی طرح مشغول رہنا تھا، یعنی صبح کو مزدلفہ سے چل کر منیٰ پہونچنا، وہاں جا کر پہلے رمی کرنا، اس کے بعد صرف ایک یا دو یا دس بیس نہیں بلکہ ساٹھ سے

بھی اوپر اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا، اس کے بعد طواف زیارت کے لئے منیٰ سے مکہ جانا اور وہاں سے پھر منیٰ واپس آنا۔ بہرحال نویں اور دسویں ذی الحجہ کا پروگرام چونکہ اس قدر بھرا ہوا اور پُرمشقت تھا، اس لئے ان دونوں کی مزدلفہ والی درمیانی رات میں پوری طرح آرام فرمانا ضروری تھا، جسم اور جسمانی قوتوں کے بھی کچھ حقوق ہیں اور ان کی رعایت خاص کر ایسے عام مجمعوں میں ضروری ہے، تاکہ سہولت اور رعایت کا پہلو بھی عوام کے علم میں آئے، اور وہ شریعت کے صحیح اور معتدل مزاج کو سمجھ سکیں۔ واللہ اعلم

اِس حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ترسٹھ (۶۳) اونٹ اپنے ہاتھ سے قربان کئے، یہ غالباً وہی ترسٹھ (۶۳) تھے جو آپ مدینہ طیبہ سے اپنے ساتھ قربانی کے لئے لائے تھے، باقی سینتیس (۳۷) جو حضرت علی یمن سے لائے تھے وہ آپ نے انہی کے ہاتھ سے قربان کرائے، ترسٹھ (۶۳) کے عدد کی یہ حکمت بالکل کھلی ہوئی ہے کہ آپ کی عمر شریف ترسٹھ (۶۳) سال تھی، گویا زندگی کے ہر سال کے شکر میں آپ نے ایک اونٹ قربان کیا۔ واللہ اعلم

آپؐ نے اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنی قربانی کے اونٹوں کا گوشت پکوا کے کھایا، اور شوربا پیا، اس سے یہ بات سب کو معلوم ہوگئی کہ قربانی کرنے والا اپنی قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے اعزہ کو بھی کھلا سکتا ہے۔

۱۰ ذی الحجہ کو قربانی سے فارغ ہونے کے بعد آپ طواف زیارت کے لئے مکہ معظمہ تشریف لیگئے مسنون اور بہتر یہی ہے کہ طواف زیارت قربانی سے فارغ ہونے کے بعد ۱۰ ذی الحجہ ہی کو کرلیا جائے، اگرچہ تاخیر کی بھی اس میں گنجائش ہے۔

زمزم کا پانی کھینچ کھینچ کے حجاج کو پلانا یہ خدمت اور سعادت زمانۂ قدیم سے آپ کے گھرانے بنی عبد المطلب ہی کے حصّے میں تھی۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم طواف زیارت سے فارغ ہونے کے بعد زمزم پر تشریف لائے، وہاں آپ کے اہلِ خاندان ڈول کھینچ کھینچ کے لوگوں کو اس کا پانی پلا رہے تھے، آپ کا بھی جی چاہا کہ اس خدمت میں کچھ حصّہ لیں، لیکن آپ نے بالکل صحیح سوچا کہ

جب آپ ایسا کریں گے تو آپ کے اتباع اور تقلید میں آپ کے سارے رفقا بھی اس سعادت میں حصّہ لینا چاہیں گے، اور پھر بنی عبدالمطلب جن کا یہ قدیمی حق ہے وہ محروم ہو جائیں گے، اس لئے آپ نے اپنے اہلِ خاندان کی دلداری اور اظہارِ تعلق کے لئے اپنی دلی خواہش کا اظہار تو فرمادیا، مگر ساتھ ہی وہ مصلحت بھی بیان فرمادی جس کی وجہ سے آپ نے اپنی اس دلی خواہش کے قربان کردینے کا فیصلہ کیا تھا۔

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا تھا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حجۃ الوداع کے بیان میں سب سے زیادہ طویل اور مفصل حدیث ہے، لیکن پھر بھی بہت سے واقعات کا ذکر اس میں چھوٹ گیا ہے، یہاں تک کہ حلق اور دسویں تاریخ کے خطبہ کا بھی اس میں ذکر نہیں آیا ہے جو دوسری حدیثوں میں مذکور ہے۔

حضرت جابرؓ کی اس حدیث کے بعض راویوں نے اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ :

نَحَرْتُ هٰهُنَا وَ مِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوْا فِيْ رِحَالِكُمْ وَ وَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَ وَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ۔ (رواہ مسلم)	میں نے قربانی اس جگہ کی ہے لیکن منیٰ کا سارا علاقہ قربانی کی جگہ ہے اسلئے تم سب لوگ اپنی اپنی جگہ قربانی کرسکتے ہو، اور میں نے عرفات میں وقوف یہاں (پتھر کی بڑی بڑی چٹانوں کے قریب کیا ہے) اور سارا عرفات وقوف کی جگہ ہے (اس کے جس حصّہ میں بھی وقوف کیا جائے صحیح ہے)

اور میں نے مزدلفہ میں یہاں (مشعر حرام کے قریب) قیام کیا اور سارا مزدلفہ موقف ہے (اس کے جس حصّے میں بھی اس رات میں قیام کیا جائے صحیح ہے)۔

(۱۶۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَائِهٖ بَقَرَةً فِي حَجَّتِهٖ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی۔

——— (صحیح مسلم)

(۱۶۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ اَمَرَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ وَاَنْ اَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُوْدِهَا وَاَجِلَّتِهَا وَاَنْ لَا اُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا قَالَ نَحْنُ نُعْطِيْهِ مِنْ عِنْدِنَا ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ آپ کی قربانیوں کا انتظام وانصرام کروں اور ان کا گوشت اور کھالیں اور جھولیں صدقہ کردوں اور قصاب کو (بطور اجرت اور حق المحنت کے) ان میں سے کوئی چیز نہ دوں آپ نے فرمایا کہ ہم ان کو اُجرت الگ اپنے پاس سے دیں گے۔

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۶۷) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى مِنًى فَاَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ اَتٰى مَنْزِلَهٗ بِمِنًى وَنَحَرَ نُسُكَهٗ ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَنَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْاَيْمَنَ فَحَلَقَهٗ ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيَّ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَيْسَرَ فَقَالَ اِحْلِقْ فَحَلَقَهٗ فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ اِقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۰) ذی الحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ تشریف لائے تو پہلے جمرۃ العقبیٰ پر پہونچ کر اس کی رمی کی پھر آپ اپنے خیمہ پر تشریف لائے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کی، پھر آپ نے حجام کو طلب فرمایا اور پہلے اپنے سرِ مبارک کی داہنی جانب اُس کے سامنے کی، اُس نے اس جانب کے بال مونڈے۔ آپ نے ابوطلحہ انصاری کو طلب فرمایا اور وہ بال ان کے حوالے کر دیئے، اس کے بعد آپ نے اپنے سر کی بائیں جانب حجام کے سامنے کی اور فرمایا کہ اب اس کو بھی مونڈ دو، اُس نے اس جانب کو بھی مونڈ دیا، تو آپ نے وہ بال بھی ابوطلحہ ہی کے حوالے فرما دیئے اور ارشاد فرمایا کہ :- اِن بالوں کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مندرجۂ بالا مفصل حدیث میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر منڈوانے کا یہ واقعہ ذکر سے چھوٹ گیا ہے، حالانکہ یہ حج کے سلسلے کے دسویں ذی الحجہ کے خاص اعمال اور مناسک میں سے ہے۔

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا حلق (سر منڈوانے) کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ پہلے داہنی جانب کے بال صاف کرائے جائیں پھر بائیں جانب کے۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اپنے بال ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ یہ ابوطلحہ آپ کے خاص محبین اور فدائیوں میں سے تھے، غزوۂ اُحد میں حضورؐ کو کافروں کے حملے سے بچانے کے لئے انھوں نے اپنا جسم تیروں سے چھلنی کرا لیا تھا، اس کے علاوہ بھی رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے راحت و آرام اور آپ کے ہاں آنے والے مہمانوں کا بھی یہ بڑا خیال رکھتے تھے۔ الغرض اس قسم کی خدمتوں میں ان کا اور ان کی بیوی اُمّ سُلیم (والدہ انسؓ) کا ایک خاص مقام تھا۔ غالباً ان کی انہی خصوصی خدمات کی وجہ سے آپ نے سرِ مبارک کے بال ان کو مرحمت فرمائے اور دوسروں کو بھی انہی کے ہاتھوں سے تقسیم کرائے ——

یہ حدیث اہل اللہ اور صالحین کے تبرکات کے لئے بھی واضح اصل اور بُنیاد ہے۔

بہت سے مقامات پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جو "موئے مبارک" بتائے جاتے ہیں اُن میں سے جن کے بارے میں قابلِ اعتماد تاریخی ثبوت اور سند موجود ہے غالب گمان یہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع کے تقسیم کئے ہوئے انہی بالوں میں سے ہوں گے ـــــــ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ نے لوگوں کو ایک ایک دو دو بال تقسیم کئے تھے، اس طرح ظاہر ہے کہ وہ ہزاروں صحابۂ کرام کے پاس پہونچے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے، اور ان کے انتقال کے بعد اُن کے اخلاف نے اس مقدس تبرک کی حفاظت کا کافی اہتمام کیا ہوگا، اس لئے اُن میں سے بہت سے اگر اب تک بھی کہیں کہیں محفوظ ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ـــــــ لیکن قابلِ اعتماد تاریخی ثبوت اور سند کے بغیر کسی بال کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا "موئے مبارک" قرار دینا بڑی سنگین بات اور گناہِ عظیم ہے، اور بہر حال (اصلی ہو یا فرضی) اس کو اور اس کی زیارت کو ذریعۂ تجارت بنانا جیسا کہ بہت سی جگہوں پر ہوتا ہے بدترین جرم ہے۔

(۱۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِيْنَ۔

ـــــــ رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا: "اللہ کی رحمت ہو اُن پر جنھوں نے یہاں اپنا سر منڈوایا"۔ حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! رحمت کی یہی دعاء بال ترشوانے والوں کے لئے بھی فرما دیجئے؟۔ آپ نے دوبارہ ارشاد فرمایا کہ:۔ "اللہ کی رحمت ہو سر منڈوانے والوں پر"۔ اُن لوگوں نے پھر وہی عرض کیا، تو تیسری دفعہ آپ نے فرمایا کہ: "اور اُن لوگوں پر بھی اللہ کی رحمت ہو جنھوں نے یہاں بال ترشوائے"۔

(تشریح) عادت یا ضرورت کے طور پر بال منڈوانا یا ترشوانا کوئی عبادت نہیں ہے، لیکن حج وعمرہ میں جو بال منڈوائے یا ترشوائے جاتے ہیں یہ بندہ کی طرف سے عبدیت اور تذلل کا ایک اظہار ہے اس لئے خاص عبادت ہے، اور اسی نیت سے منڈوانا یا ترشوانا چاہیے۔ اور چونکہ عبدیت اور تذلل کا اظہار سر منڈانے میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے وہی افضل ہے، اور اسی واسطے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعائے رحمت میں اس کو ترجیح دی۔ واللہ اعلم

(۱۶۹) عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ النَّحْرِ قَالَ اِنَّ الزَّمَانَ اِسْتَدَارَ کَهَیْئَتِهٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ اَلسَّنَةُ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلٰثٌ مُتَوَالِیَاتٌ ذُوالْقَعْدَةِ وَذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِیْ بَیْنَ جُمَادٰی وَشَعْبَانَ وَقَالَ اَیُّ شَهْرٍ هٰذَا فَقُلْنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ بِغَیْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَیْسَ ذَا الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ اَیُّ بَلَدٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ بِغَیْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَیْسَ الْبَلْدَةَ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاَیُّ یَوْمٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ بِغَیْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَیْسَ یَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْئَلُکُمْ عَنْ اَعْمَالِکُمْ اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ ضُلَّالًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا

نَعَمْ قَالَ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع میں) دسویں ذی الحجہ کو خطبہ دیا جس میں فرمایا:۔ زمانہ گھوم پھر کر اپنی اس اصلی ہیئت پر آگیا ہے جس پر وہ زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت تھا ——— سال پورے بارہ مہینہ ہی کا ہوتا ہے، ان میں سے ۴ مہینے خاص طور سے قابل احترام ہیں۔ تین مہینے تو مسلسل ہیں۔ ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور چوتھا وہ رجب جو جمادی الاُخریٰ اور شعبان کے درمیان ہوتا ہے اور جس کو قبیلۂ مضر زیادہ مانتا ہے ———

اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔ بتاؤ یہ کون مہینہ ہے؟۔ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ:۔ اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ اس کے بعد کچھ دیر آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ اب آپ اس مہینہ کا کوئی اور نام مقرر کریں گے (لیکن) آپ نے فرمایا:۔ کیا یہ "ذی الحجہ" کا مہینہ نہیں ہے؟۔ ہم نے عرض کیا:۔ بیشک یہ ذی الحجہ ہی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ بتلاؤ یہ کون شہر ہے؟۔ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ:۔ اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ کچھ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ اب آپ اس شہر کا کوئی اور نام مقرر کریں گے (لیکن) آپ نے فرمایا:۔ کیا یہ "بلدہ" نہیں ہے؟ (مکہ کے معروف ناموں میں ایک "بلدہ" تھا) ہم نے عرض کیا:۔ بیشک ایسا ہی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔ یہ کون دن ہے؟۔ ہم نے عرض کیا کہ:۔ اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ کیا آج "یوم النحر" نہیں ہے؟ (یعنی ۱۰ ذی الحجہ جس میں قربانی کی جاتی ہے)۔ ہم نے عرض کیا:۔ بیشک آج یوم النحر ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔ تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں حرام ہیں تم پر (یعنی کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ناحق کسی کا خون کرے یا کسی کے مال پر یا اس کی آبرو پر دست درازی کرے۔ یہ سب تم پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے) جیسا کہ

آج کے مبارک اور مقدس دن میں خاص اس شہر اور اس مہینہ میں تم کسی کی جان لینا یا اس کا مال یا اس کی آبرو لوٹنا حرام سمجھتے ہو (بالکل اسی طرح یہ باتیں تمہارے واسطے ہمیشہ کے لئے حرام ہیں) ـــــ اس کے بعد آپ نے فرمایا :- اور عنقریب (مرنے کے بعد آخرت میں) اپنے پروردگار کے سامنے تمہاری پیشی ہوگی، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کرے گا۔ دیکھو میں خبر دار کرتا ہوں کہ تم میرے بعد ایسے گمراہ نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں ـــــ (اس کے بعد آپ نے فرمایا) بتاؤ کیا میں نے اللہ کا پیام تم کو پہونچا دیا؟ سب نے عرض کیا کہ :- بیشک آپ نے تبلیغ کا حق ادا فرما دیا۔ (اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر کہا) :- "اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ" (اے اللہ! تو گواہ رہ)۔ (اس کے بعد آپ نے حاضرین سے فرمایا) :- جو لوگ یہاں حاضر اور موجود ہیں (اور انھوں نے میری بات سنی ہے) وہ اُن لوگوں کو پہونچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ بہت سے وہ لوگ جن کو کسی سننے والے سے بات پہونچے اس سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں (اور وہ اس علم کی امانت کا حق زیادہ ادا کرتے ہیں) ـــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس خطبۂ نبوی کے ابتدائی حصے میں زمانہ کے گھوم پھر کے اپنے اصلی ابتدائی ہیئت پر آجانے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ جاہلیت میں اہل عرب کا ایک گمراہانہ دستور اور طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنی خاص مصلحتوں کے تحت کبھی کبھی سال تیرہ مہینے کا قرار دے دیتے تھے اور اس کے لئے ایک مہینہ کو مکرر مان لیتے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مہینوں کا سارا نظام غلط اور حقیقت کے خلاف تھا، اس لئے حج جو اُن کے حساب سے ذی الحجہ میں ہوتا تھا در اصل ذی الحجہ میں نہیں ہوتا تھا لیکن جاہلیت کے پچاسوں یا سینکڑوں برس کے چکر کے بعد ایسا ہوا کہ اُن اہل عرب کے حساب سے مثلاً جو محرم کا مہینہ تھا وہی اصل آسمانی حساب سے بھی محرم کا مہینہ تھا، اسی طرح جو اہل عرب کے حساب سے ذی الحجہ کا مہینہ تھا وہی اصل آسمانی حساب سے ذی الحجہ کا مہینہ تھا۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے ابتدائی حصّے میں یہی بات فرمائی ہے، اور یہ بتلایا ہے کہ یہ ذی الحجہ جس میں یہ حج ادا ہو رہا ہے اصل آسمانی حساب سے بھی ذی الحجہ ہی ہے اور سال بارہ ہی مہینہ کا ہوتا ہے، اور آئندہ صرف یہی اصلی اور حقیقی نظام چلے گا۔

خطبہ کے آخر میں آپ نے خاص وصیت و ہدایت اُمّت کو یہ فرمائی کہ میرے بعد باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہو جانا اگر ایسا ہوا تو یہ انتہائی گمراہی کی بات ہوگی ـــــ

اسی خطبے کی بعض روایات میں "ضُلَّالًا" کے بجائے "کُفَّارًا" کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی اسلام کے مقاصد اور اس کی روح کے بالکل خلاف کافرانہ رَوَیّہ ہوگا، اور اگر امت اس میں مبتلا ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اسلامی رَوَیّہ کے بجائے کافرانہ طرزِ عمل اختیار کر لیا۔

امت کو یہ آگاہی آپ نے بہت سے اہم خطبوں میں دی تھی اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ پر کسی درجہ میں یہ منکشف ہو چکا تھا کہ شیطان اس امت کے مختلف طبقوں کو باہم لڑانے اور بھڑکانے میں بہت کچھ کامیاب ہوگا ـــــ وَكَانَ ذَالِكَ قَدَرًا مَقْدُورًا

حج کے اہم افعال وارکان :ـــــ

حجۃ الوداع کے سلسلہ میں حج کے قریباً سارے ہی اعمال و مناسک کا ذکر واقعہ کی شکل میں آچکا ہے، اب الگ الگ اُس کے اہم افعال وارکان کے بارے میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور آپ کا طرزِ عمل معلوم کرنے کے لئے مندرجۂ ذیل حدیثیں پڑھئے :۔

مکہ میں داخلہ اور پہلا طواف :ـــــ

مکۂ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے کعبۂ مکرّمہ کی نسبت سے جو خاص شرف بخشا ہے اور اس کو بَلَدُ اللہِ الحرام اور مرکزِ حج قرار دیا ہے اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس میں داخلہ اہتمام اور

احترام کے ساتھ ہو، اور اُس کے بعد کعبۂ مقدسہ کا حق ہے کہ سب سے پہلے اس کا طواف کیا جائے اور پھر اسی کعبہ کے ایک گوشہ میں جو ایک خاص مبارک پتھر (حجر اسود) لگا ہوا ہے (جس کو اللہ تعالیٰ سے اور جنت سے خاص نسبت ہے) اس کا حق ہے کہ طواف کا آغاز ادب اور محبت کے ساتھ اُس کے استلام سے کیا جائے۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا، اور صحابۂ کرامؓ نے آپ سے یہی سیکھا تھا۔

(۱۷۰) عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْدِمُ مَكَّةَ اِلَّا بَاتَ بِذِي طُوًى حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَغْتَسِلَ وَيُصَلِّيَ فَيَدْخُلَ مَكَّةَ نَهَارًا وَاِذَا نَفَرَ مِنْهَا مَرَّ بِذِي طُوًى وَبَاتَ بِهَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَذْكُرُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خادم نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر جب بھی مکہ آتے تو اس میں داخلہ سے پہلے رات ذی طُوی میں گذارتے (جو مکہ کے قریب ایک بستی تھی) یہاں تک کہ صبح ہونے پر غسل کرتے اور نماز پڑھتے، اور اس کے بعد دن کے وقت میں مکہ معظمہ میں داخل ہوتے، اور جب مکہ معظمہ سے واپس لوٹتے تو بھی ذی طُوی میں رات گذار کے صبح کو وہاں سے روانہ ہوتے، اور عبداللہ بن عمرؓ بتاتے تھے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دستور بھی یہی تھا

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۷۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ اَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهٖ فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَمَشٰى اَرْبَعًا۔

——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ پہونچے تو سب سے پہلے حجرِ اسود پر آئے اور اس کا استلام کیا، پھر آپ نے داہنی طرف سے طواف کیا، جس میں پہلے تین چکروں میں آپ نے رمل کیا، اور اس کے بعد چار چکروں میں آپ اپنی عادی رفتار سے چلے ——————— (صحیح مسلم)

(تشریح) ہر طواف حجرِ اسود کے استلام سے شروع ہوتا ہے۔ استلام کا مطلب ہے حجرِ اسود کو چومنا، یا اُس پر اپنا ہاتھ رکھ کر، یا ہاتھ اس کی طرف کر کے اپنے اُس ہاتھ ہی کو چوم لینا۔ بس یہ استلام کر کے طواف شروع کیا جاتا ہے، اور ہر طواف میں خانۂ کعبہ کے سات چکر لگائے جاتے ہیں۔

رمل ایک خاص انداز کی چال کو کہتے ہیں جس میں طاقت و قوت کا اظہار ہوتا ہے روایات میں ہے کہ ۷ھ میں جب رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے لئے مکۂ معظمہ پہونچے تو وہاں کے لوگوں نے آپس میں کہا کہ یثرب یعنی مدینہ کی آب و ہوا کی خرابی اور بخار وغیرہ وہاں کی بیماریوں نے ان لوگوں کو کمزور اور دُبلا پتلا کر دیا ہے۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات پہونچی تو آپ نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کی چال چلی جائے، اور اس طرح طاقت و قوت کا مظاہرہ کیا جائے، چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا ——————— لیکن اللہ تعالیٰ کو اس وقت کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس کو مستقل سُنّت قرار دے دیا گیا۔ اب بھی طریقہ جاری ہے کہ حج یا عمرہ کرنے والا جو پہلا طواف کرتا ہے جس کے بعد اس کو صفا، مروہ کے درمیان سعی بھی کرنی ہوتی ہے اس کے پہلے تین چکروں میں رمل کیا جاتا ہے، اور باقی چار چکر اپنی عادی رفتار سے کئے جاتے ہیں۔

(۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَاَقْبَلَ اِلَى الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ طَافَ بِالْبَیْتِ ثُمَّ اَتَى الصَّفَا فَعَلَاهُ حَتّٰى یَنْظُرَ

اِلَى الْبَيْتِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَذْكُرُ اللّٰهَ مَا شَاءَ وَيَدْعُوْ ——— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مکہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے حجر اسود کے قریب پہونچ کر آپ نے اس کا استلام کیا، پھر آپ نے طواف کیا، پھر صفا پہاڑی پر آئے اور اس کے اتنے اوپر چڑھ گئے کہ بیت اللہ نظر آنے لگا، پھر آپ نے ہاتھ اُٹھائے (جس طرح دُعا میں اُٹھائے جاتے ہیں) اور پھر جتنی دیر تک آپ نے چاہا آپ اللہ کے ذکر و دُعا میں مشغول رہے ——— (سنن ابی داؤد)

(۱۷۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلَى بَعِيْرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہوکر بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک خمدار چھڑی تھی اُسی سے آپ حجر اسود کا استلام کرتے تھے۔

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اوپر صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت جابرؓ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اُس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طواف کے بارے میں یہ صریح الفاظ ہیں: "ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهٖ فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَمَشٰى اَرْبَعًا" (آپ حجر اسود کا استلام کرنے کے بعد داہنی جانب کو چلے (اور طواف شروع کیا) پھر تین چکروں میں تو آپ نے رَمل کیا اور چار چکر آپ نے اپنی عادی رفتار سے لگائے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے طواف اپنے پاؤں پر چل کر کیا تھا۔ اور حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت میں اونٹ پر سوار ہوکر طواف کا تذکرہ ہے۔

لیکن ان دونوں بیانوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ پہونچنے کے بعد پہلا طواف پیادہ پا کیا تھا حضرت جابرؓ نے اسی کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بعد دسویں ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ آکر جو طواف کیا تھا وہ اونٹ پر کیا تھا، تاکہ سوالات کرنے والے آپ سے سوالات کرسکیں، گویا آپ کی اونٹنی اُس وقت آپ کے لئے منبر بنی ہوئی تھی اور غالبًا اپنے عمل سے اس کا اظہار بھی مقصود تھا کہ خاص حالات میں سواری پر بھی طواف کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

(۱۷۴) عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِّىْ اَشْتَكِىْ فَقَالَ طُوْفِىْ مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ رَاكِبَةً فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ اِلٰى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَءُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ ———— رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع میں) میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:۔ مجھے بیماری کی تکلیف ہے (میں طواف کیسے کروں؟)۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ تم سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کرلو، تو میں نے اسی طرح طواف کیا، اور اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پہلو میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اور اس میں سورۂ طور تلاوت فرما رہے تھے۔

———— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۷۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْكُرُ اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ طَمِثْتُ فَدَخَلَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِىْ فَقَالَ لَعَلَّكِ نَفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ ذٰلِكِ شَىْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ

عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ فَافْعَلِيْ مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِيْ ــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم لوگ (حجۃ الوداع والے سفر میں) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے چلے۔ ہماری زبانوں پر بس حج ہی کا ذکر تھا، یہاں تک کہ جب (مکہ کے بالکل قریب) مقام سَرِف پر پہونچے (جہاں سے مکہ صرف ایک منزل رہ جاتا ہے) تو میرے وہ دن شروع ہو گئے جو عورتوں کو ہر مہینے آتے ہیں ــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (خیمہ میں) تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ میں بیٹھی رو رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا:۔ شاید تمہارے ماہواری ایام شروع ہو گئے ہیں؟ ــــــ میں نے عرض کیا کہ:۔ ہاں! یہی بات ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ (رونے کی کیا بات ہے) یہ تو ایسی چیز ہے جو اللہ نے آدم کی بیٹیوں (یعنی سب عورتوں) کے ساتھ لازم کر دی ہے، تم وہ سارے عمل کرتی رہو جو حاجیوں کو کرنے ہوتے ہیں سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ اس سے پاک صاف نہ ہو جاؤ۔

ــــــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۷۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلٰوةِ اِلَّا اَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيْهِ فَلَا يَتَكَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَيْرٍ۔

ــــــــــ رواہ الترمذی والنسائی والدارمی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح کی عبادت ہے، بس یہ فرق ہے کہ طواف میں تم کو باتیں کرنے کی اجازت ہے، تو جو کوئی طواف کی حالت میں کسی سے بات کرے تو نیکی اور بھلائی ہی کی بات کرے (لغو و فضول یا ناجائز باتوں سے طواف کو

مکدر نہ کرے) ــــــــــــ (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن دارمی) ــــ

(۱۷۷) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ مَسْحَهُمَا (الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَالرُّكْنِ الْيَمَانِي) كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ اُسْبُوْعًا فَاَحْصَاهُ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ لَا يَضَعُ قَدَمًا وَلَا يَرْفَعُ اُخْرٰى اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً وَكَتَبَ لَهٗ بِهَا حَسَنَةً ــــــــــــ رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ:۔ حجر اسود اور رکن یمانی ان دونوں پر ہاتھ پھیرنا گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ ہے ۔ اور میں نے آپ سے یہ بھی سُنا آپ فرماتے تھے کہ:۔ جس نے اللہ کے اس گھر کا سات بار طواف کیا اور اہتمام اور فکر کے ساتھ کیا (یعنی سنن وآداب کی رعایت کے ساتھ کیا) تو اس کا یہ عمل ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہوگا ۔ اور میں نے آپ سے یہ بھی سُنا آپ فرماتے تھے کہ:۔ بندہ طواف کرتے ہوئے جب ایک قدم رکھے گا اور دوسرا قدم اُٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلہ ایک گناہ معاف کرے گا اور ایک نیکی کا ثواب اس کے لئے لکھا جائے گا ــــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کے لفظ "مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ اُسْبُوْعًا" کا ترجمہ ہم نے سات بار طواف کرنا کیا ہے ۔ شارحین نے لکھا ہے کہ اس میں تین احتمال ہیں :ــــ اول طواف کے سات چکر (یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ ایک طواف میں بیت اللہ کے سات چکر کئے جاتے ہیں) ۔ اور دوسرا احتمال ہے پورے سات طواف جس کے اُنچاس چکر ہوں گے ۔ اور تیسرا احتمال ہے بلا ناغہ سات دن طواف ــــــــ لیکن بظاہر پہلا مطلب راجح ہے ۔ واللہ اعلم ۔

حجرِ اَسْوَدْ :

(۱۷۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْحَجَرِ وَاللّٰهِ لَیَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَهُ عَیْنَانِ یُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ یَنْطِقُ بِهٖ یَشْهَدُ عَلٰی مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ ــــــ رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کے بارے میں فرمایا:۔ خدا کی قسم! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو نئی زندگی دے کر اس طرح اُٹھائے گا کہ اُس کے دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا، اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا، اور جن بندوں نے اس کا استلام کیا ہوگا اُن کے حق میں سچّی شہادت دے گا۔

ــــــ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) حجرِ اسود دیکھنے میں پتھر کا ایک ٹکڑا ہے، لیکن اس میں ایک رُوحانیت ہے اور وہ ہراُس شخص کو پہچانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اُدب اور محبّت کے ساتھ اس کو بلاواسطہ یا بالواسطہ چومتا ہے اور اس کا استلام کرتا ہے، قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو ایک دیکھنے اور بولنے والی ہستی بنا کر کھڑا کرے گا اور وہ اُن بندوں کے حق میں شہادت دے گا جو اللہ کے حکم کے مطابق عاشقانہ اور نیازمندانہ شان کے ساتھ اُس کا استلام کرتے تھے۔

(۱۷۹) عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِیْعَةَ قَالَ رَأَیْتُ عُمَرَ یُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَیَقُوْلُ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ مَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُ مَا قَبَّلْتُكَ ــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) عابس بن ربیعہ تابعی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور کہتے تھے میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے (تیرے اندر کوئی خدائی صفت نہیں ہے) نہ تو کسی کو نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان، اور اگر میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے نہ چومتا ——————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بالاعلان اور علی رؤس الاشہاد اس لئے کہی کہ کوئی ناتربیت یافتہ نیا مسلمان حضرت عمرؓ اور دوسرے اکابر مسلمین کا حجر اسود کو چومنا دیکھ کر یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اِس پتھر میں کوئی خدائی کرشمہ اور خدائی صفت اور بناؤ بگاڑ کی کوئی طاقت ہے، اور اس لئے اس کو چوما جارہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک اصولی اور بنیادی بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی چیز کی جو تعظیم و تکریم اس نظریہ سے کی جائے کہ اللہ و رسول کا حکم ہے وہ تعظیم برحق ہے، لیکن اگر کسی مخلوق کو نافع اور ضار اور بناؤ بگاڑ کا مختار یقین کر کے اس کی تعظیم کی جائے تو وہ شرک کا ایک شعبہ ہے، اور اسلام میں اس کی گنجائش نہیں۔

طواف میں ذکر اور دُعا: ———————

(۱۸۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ——————— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو (طواف کی حالت میں) رکن یمانی اور حجر اسود کے

درمیان (کی مسافت میں) یہ دُعا پڑھتے ہوئے سُنا: "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ"

(سنن ابی داؤد)

(۱۸۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وُکِّلَ بِہٖ سَبْعُوْنَ مَلَکًا (یعنی الرکن الیمانی) فَمَنْ قَالَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالُوْا ——— اٰمین ———

رواہ ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ۔ رکن یمانی پر ستّر فرشتے مقرر ہیں جو ہر اُس بندے کی دُعا پر آمین کہتے ہیں جو اُس کے پاس یہ دُعا کرے کہ: ——— "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت مانگتا ہوں۔ اے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی ۔ اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا!) ——— (سنن ابن ماجہ)

وقوف عرفہ کی اہمیت اور فضیلت: ———

حج کا سب سے اہم رکن نویں ذی الحجہ کو میدان عرفات کا وقوف ہے، اگر یہ ایک لحظہ کے لئے بھی نصیب ہوگیا تو حج نصیب ہوگیا، اور اگر کسی وجہ سے حاجی ۹ ذی الحجہ کے

دن، اور اس کے بعد والی رات کے کسی حصّے میں بھی عرفات میں نہ پہونچ سکا تو اس کا حج فوت ہوگیا۔ حج کے دوسرے ارکان ومناسک طواف، سعی، رمی، جمرات وغیرہ اگر کسی وجہ سے فوت ہوجائیں تو ان کا کوئی نہ کوئی کفارہ اور تدارک ہے، لیکن اگر وقوف عرفہ فوت ہوجائے تو اس کا کوئی تدارک نہیں ہے۔

(۱۸۲) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمَرَ الدِّيْلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ اَدْرَكَ عَرَفَةَ لَيْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ ـــــ اَيَّامُ مِنًى ثَلٰثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ۔

ـــــ رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) عبدالرحمٰن بن یعمر دؤلی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے،۔ حج (کا خاص الخاص رکن جس پر حج کا دارومدار ہے) وقوف عرفہ ہے، جو حاجی مزدلفہ والی رات میں (یعنی ۹ر اور ۱۰ر ذی الحجہ کی درمیانی شب میں) بھی صبح صادق سے پہلے عرفات میں پہونچ جائے تو اس نے حج پالیا اور اس کا حج ہوگیا ـــــ (یوم النحر یعنی ۱۰ر ذی الحجہ کے بعد) منیٰ میں قیام کے تین دن ہیں (جن میں تینوں جمروں کی رمی کی جاتی ہے ۱۱ر، ۱۲ر، ۱۳ر ذی الحجہ) اگر کوئی آدمی صرف دو دن میں یعنی (۱۱ر ۱۲ر کو رمی کرکے) جلدی منیٰ سے چل دے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے، اور اگر کوئی ایک دن مزید ٹھہر کے (۱۳ر ذی الحجہ کی رمی کرکے) وہاں سے جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ اور الزام نہیں ہے (دونوں باتیں جائز ہیں)۔

ـــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) چونکہ وقوف عرفات پر حج کا دارومدار ہے اس لئے اس میں اتنی وسعت

رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی آدمی نویں ذی الحجہ کے دن میں عرفات نہ پہونچ سکے (جو وقوف کا اصلی وقت ہے) وہ اگر اگلی رات کے کسی حصے میں بھی وہاں پہونچ جائے تو اس کا وقوف ادا ہو جائے گا اور وہ حج سے محروم نہ سمجھا جائے گا۔

یوم العرفہ کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو یوم النحر ہے جس میں ایک جمرہ کی رمی اور قربانی اور حلق وغیرہ کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور اسی دن مکہ جاکر طواف زیارت کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد منیٰ میں زیادہ سے زیادہ تین دن اور کم سے کم دو دن ٹھہر کے تینوں جمروں پر کنکریاں مارنا مناسک میں سے ہے ——— پس اگر کوئی شخص صرف دو دن ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو رمی جمرات کر کے منیٰ سے چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر کوئی ۱۳ ذی الحجہ کو بھی ٹھہرے، اور رمی کرلے، تو یہ بھی جائز ہے۔

(۱۸۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ اَكْثَرَ مِنْ اَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَاِنَّهٗ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ فَيَقُوْلُ مَا اَرَادَ هٰٓؤُلَآءِ۔

——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ اپنے بندوں کے لئے جہنم سے آزادی اور رہائی کا فیصلہ کرتا ہو (یعنی گنہگار بندوں کی مغفرت اور جہنم سے آزادی کا سب سے بڑے اور وسیع پیمانے پر فیصلہ سال کے ۳۶۰ دنوں میں سے ایک دن یوم العرفہ میں ہوتا ہے) اس دن اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحمت و رأفت کے ساتھ (عرفات میں جمع ہونے والے) اپنے بندوں کے بہت ہی قریب ہو جاتا ہے اور ان پر فخر کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے: "مَا اَرَادَ هٰٓؤُلَآءِ؟" دیکھتے ہو!

میرے یہ بندے کس مقصد سے یہاں آئے ہیں؟ —————— (صحیح مسلم)

(۱۸۴) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ كَرِيْزٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا رُأِيَ الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ اَصْغَرُ وَلَا اَدْحَرُ وَلَا اَحْقَرُ وَلَا اَغْيَظُ مِنْهُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِمَا يَرٰى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ —————— رواہ مالک مرسلاً

(ترجمہ) طلحہ بن عبید اللہ بن کُریز (تابعی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: شیطان کسی دن بھی اتنا ذلیل، اتنا خوار، اتنا دھتکارا اور پھٹکارا ہوا اور اتنا جلا بُھنا ہوا نہیں دیکھا گیا جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ذلیل وخوار روسیاہ اور جلا بُھنا دیکھا جاتا ہے، اور یہ صرف اس لئے کہ وہ اس دن اللہ کی رحمت کو (موسلادھار) برستے ہوئے اور بڑے بڑے گناہوں کی معافی کا فیصلہ ہوتے ہوئے دیکھتا ہے (اور یہ اُس لعین کے لئے ناقابلِ برداشت ہے)۔

—————— (مؤطا امام مالک مرسلاً)

(تشریح) عرفات کے مُبارک میدان میں ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو، جو رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا خاص دن ہے جب ہزاروں یا لاکھوں کی تعداد میں اللہ کے بندے فقیروں محتاجوں کی صورت بنا کر جمع ہوتے ہیں اور اُس کے حضور میں اپنے اور دوسروں کے لئے مغفرت اور رحمت کے لئے دُعائیں اور آہ وزاری کرتے ہیں اور اس کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے ہیں تو لامحالہ ارحم الراحمین کی رحمت کا اتھاہ سمندر جوش میں آجاتا ہے، اور پھر وہ اپنی شانِ کریمی کے مطابق گنہگار بندوں کی مغفرت اور جہنم سے رہائی و آزادی کے وہ عظیم فیصلے فرماتا ہے کہ شیطان بس جل بھن کے رہ جاتا ہے اور اپنا سر پیٹ لیتا ہے۔

رمئ جمرات :

منیٰ میں کافی کافی فاصلے سے تین جگہوں پر تین ستون بنے ہوئے ہیں۔ انہی ستونوں کو جمرات کہا جاتا ہے، ان جمرات پر کنکریاں پھینکنا بھی حج کے اعمال اور مناسک میں سے ہے دسویں ذی الحجہ کو صرف ایک جمرہ پر سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، اور ۱۱ر ۱۲ر ۱۳ر ذی الحجہ کو تینوں جمروں پر سات سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں ـــــــ ظاہر بات ہے کہ کنکریاں پھینکنا بذاتِ خود کوئی نیک عمل نہیں ہے لیکن اللہ کے حکم سے ہر عمل میں عبادت کی شان پیدا ہو جاتی ہے، اور بندگی یہی ہے کہ بے چون وچرا اللہ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ علاوہ ازیں اللہ کے بندے جب اللہ کے حکم سے اُس کے جلال وجبروت کا دھیان کرتے ہوئے اور اس کی کبریائی کا نعرہ لگاتے ہوئے شیطانی خیالات وعادات اور نفسانی خواہشات ومعصیات کو عالمِ تصور میں نشانہ بنا کر ان جمروں پر کنکریاں مارتے ہیں، اور اس طرح گمراہی اور معصیت کو سنگسار کرتے ہیں تو اُن کے قلوب کی اس وقت جو کیفیت ہوتی ہے اور ان کے ایمان والے سینوں کو جو انشراح اور سُرور وانبساط اُس سے نصیب ہوتا ہے اس کا ذائقہ بس وہی جانتے ہیں ـــــــ بہرحال اللہ کے حکم سے اور اس کا نام لے کر جمروں پر کنکریاں پھینکنا بھی اہلِ بصیرت کی نگاہ میں ایک ایمان افروز عمل ہے۔

(۱۸۵) عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ رَمْىُ الْجِمَارِ وَالسَّعْىُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِاِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ ـــــــ رواه الترمذی والدارمی

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جمرات پر کنکریاں پھینکنا اور صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا اور پھیرے لگانا (لہو ولعب کی باتیں نہیں ہیں، بلکہ) یہ ذکر اللہ کی گرم بازاری کے وسائل ہیں۔

ـــــــ (جامع ترمذی، سنن دارمی)

(۱۸۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَمٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَۃَ یَوْمَ النَّحْرِ ضُحًی وَاَمَّا بَعْدَ ذَالِکَ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی چاشت کے وقت فرمائی، اور اس کے بعد ایام تشریق میں جمرات کی رمی آپ نے زوال آفتاب کے بعد کی ـــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) یہی سنّت ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کو جمرۃ العقبہ کی رمی دوپہر سے پہلے کرلی جائے اور بعد کے دنوں میں زوال کے بعد۔

(۱۸۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّہٗ اِنْتَھٰی اِلَی الْجَمْرَۃِ الْکُبْرٰی فَجَعَلَ الْبَیْتَ عَنْ یَسَارِہٖ وَمِنًی عَنْ یَمِیْنِہٖ وَرَمٰی بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ یُکَبِّرُ مَعَ کُلِّ حَصَاۃٍ ثُمَّ قَالَ ھٰکَذَا رَمَی الَّذِیْ اُنْزِلَتْ عَلَیْہِ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ ـــــــ

ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رمی کے لئے جمرۂ کبریٰ کے پاس پہونچے، پھر اس طرح اس کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوئے کہ بیت اللہ (یعنی مکّہ) ان کے بائیں جانب تھا اور منیٰ داہنی جانب۔ اس کے بعد انھوں نے جمرہ پر سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ اَللّٰہُ اَکْبَر کہتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ :- اسی طرح رمی کی تھی اس مقدس ہستی نے جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی تھی (جس میں حج کے احکام اور مناسک کا بیان ہے) ـــــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے رمی کرنے کے طریقے کو تفصیل سے یاد رکھا تھا، اور اسی کے مطابق عمل کرکے لوگوں کو دکھایا کہ رسول اللہ صلعم

جن پر اللہ نے حج کے احکام نازل کئے تھے اسی طرح رمی کیا کرتے تھے۔

(۱۸۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي عَلَى رَاحِلَتِهِ يَوْمَ النَّحْرِ وَيَقُولُ لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هٰذِهٖ۔

———— رواہ مسلم

ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو (دسویں ذی الحجہ کو) اپنی ناقہ پر سے رمی کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ اس وقت فرما رہے تھے کہ تم مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ شاید اس حج کے بعد میں کوئی اور حج نہ کروں (اور پھر تمہیں اس کا موقعہ نہ ملے) ———— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) دسویں ذی الحجہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ پر مزدلفہ سے روانہ ہوکر منیٰ پہونچے تو اُس دن آپ نے ناقہ پر سوار ہونے ہی کی حالت میں جمرۂ عقبہ کی رمی کی، تاکہ سب لوگ آپ کو رمی کرتا ہوا دیکھ کر رمی کا طریقہ سیکھ لیں اور آسانی سے مسائل اور مناسک پوچھ سکیں لیکن دوسرے اور تیسرے دن آپ نے رمی پا پیادہ کی ———— بہرحال رمی سوار ہوکر بھی جائز ہے اور پا پیادہ بھی۔

یہ اشارہ حجۃ الوداع میں آپ نے بار بار فرمایا کہ :۔ اہل ایمان مجھ سے مناسک اور دین و شریعت کے احکام سیکھ لیں، شاید اب اس دنیا میں میرا قیام بہت زیادہ نہیں ہے۔

---

(۱۸۹) عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَرْمِي جَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عَلَى إِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ حَتّٰى يُسْهِلَ فَيَقُومُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ طَوِيلًا وَيَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْوُسْطٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ

كُلَّمَا رَمٰى بِحَصَاةٍ ثُمَّ يَأْخُذُ بِذَاتِ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ فَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُوْمُ طَوِيْلًا ثُمَّ يَرْمِىْ جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِىْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْلُ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ۔

رواه البخاری

(ترجمہ) سالم بن عبداللہ اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ رمی جمرات کے بارے میں اُن کا معمول اور دستور تھا کہ وہ پہلے جمرہ پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری پر اَللّٰہُ اَکْبَر کہتے، اس کے بعد آگے نشیب میں اُتر کے قبلہ رو کھڑے ہوتے اور ہاتھ اٹھا کے دیر تک دُعا کرتے، پھر درمیان والے جمرہ پر بھی اسی طرح سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری پر تکبیر کہتے، پھر بائیں جانب نشیب میں اتر کے قبلہ رو کھڑے ہوتے اور دیر تک کھڑے رہتے اور ہاتھ اٹھا کے دعا کرتے، پھر آخری جمرہ (جمرۃ العقبہ) پر بطن وادی سے سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اَللّٰہُ اَکْبَر کہتے اور اس جمرہ کے پاس کھڑے نہ ہوتے بلکہ واپس ہو جاتے، اور بتاتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پہلے اور دوسرے جمروں کی رمی کے بعد قریب میں قبلہ رو کھڑے ہو کر دیر تک دُعا کرتے تھے اور آخری جمرہ کی رمی کے بعد بغیر کھڑے ہوئے اور دُعا کئے واپس ہو جاتے تھے، یہی سُنّت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس سنّت پر عمل کرنے والے بلکہ اس کے جاننے والے بھی بہت کم ہیں۔

قربانی :

قربانی کی عام فضیلت اور اُس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام ہدایات "کتاب الصلوٰۃ" میں عید الاضحیٰ کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہیں، اور حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے (۶۳) اونٹوں کی، اور آپ کے حکم سے حضرت علی مرتضیٰؓ نے (۳۷) اونٹوں کی جو قربانی کی تھی، اس کا ذکر حجۃ الوداع کے بیان میں گزر چکا ہے، یہاں قربانی کے بارے میں صرف دو تین حدیثیں اور پڑھ لی جائیں۔

(۱۹۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ (قَالَ ثَوْرٌ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِيْ) قَالَ وَقُرِّبَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ اَوْ سِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ بِاَيَّتِهِنَّ يَبْدَءُ۔

رواہ ابو داؤد

(ترجمہ) عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم النحر (قربانی کا دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ کا دن) ہے (یعنی یوم العرفہ کی طرح یوم النحر بھی بڑی عظمت والا دن ہے) اس کے بعد اُس سے اگلا دن یوم القر (۱۱ ذی الحجہ) کا درجہ ہے (اس لئے قربانی جہاں تک ہو سکے ۱۰ ذی الحجہ کو کر لی جائے۔ اور کسی وجہ سے ۱۰ ذی الحجہ کو نہ کی جا سکے، تو ۱۱ کو ضرور کر لی جائے۔ اس کے بعد (یعنی ۱۲ ذی الحجہ کو) اگر کی جائے گی تو ادا تو ہو جائے گی لیکن فضیلت کا کوئی درجہ ہاتھ نہ آئے گا) حدیث کے راوی عبداللہ بن قرط (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد اپنا یہ عجیب و غریب مشاہدہ) بیان

کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پانچ یا چھ اونٹ قربانی کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب لائے گئے تو ان میں سے ہر ایک آپ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا تھا، تاکہ پہلے اسی کو آپ ذبح کریں۔ ——————— (سنن ابی داؤد)

(**تشریح**) اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ جانوروں میں بلکہ مٹی پتھر جیسے جمادات میں حقائق کا شعور پیدا کردے۔ یہ ۵، ۶ اونٹ جو قربانی کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب کئے گئے تھے ان میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ شعور پیدا فرما دیا تھا کہ اللہ کی راہ میں اور اس کے محبوب اور برگزیدہ رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے قربان ہونا ان کی کیسی خوش نصیبی ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک اس خواہش کے ساتھ آپ سے قریب ہونا چاہتا تھا کہ پہلے آپ اسی کو ذبح کریں۔ ؎

ہمہ آہوان صحرا، سر خود نہادہ بر کف
بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

(۱۹۱) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَفِيْ بَيْتِهِ مِنْهُ شَيْءٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا الْعَامَ الْمَاضِيْ قَالَ كُلُوْا وَاَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ فَاَرَدْتُّ اَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهِمْ۔

——————— رواہ البخاری ومسلم

(**ترجمہ**) حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (ایک سال عید الاضحیٰ کے موقع پر) ہدایت فرمائی کہ تم میں سے جو کوئی قربانی کرے تو (اس کا گوشت بس تین دن تک کھا سکتا ہے) تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں اس

قربانی کے گوشت میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہنا چاہئے ــــ پھر جب اگلا سال آیا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ :۔ کیا ہم اس سال بھی ایسا ہی کریں جیسا کہ گزشتہ سال آپ کی ہدایت کے مطابق ہم نے کیا تھا ؟ ۔ تو آپ نے فرمایا :۔ (نہیں! اس سال تین دن والی وہ پابندی نہیں ہے بلکہ اجازت ہے کہ جب تک چاہو) کھاؤ، کھلاؤ اور محفوظ رکھو، گزشتہ سال وہ ہدایت اس لئے دی گئی تھی کہ عوام کو (غذا کی کمی اور تنگدستی کی وجہ سے) کھانے پینے کی تکلیف تھی اس لئے میں نے چاہا تھا کہ قربانی کے گوشت سے تم ان کی پوری مدد کرو (اس لئے میں نے عارضی اور وقتی طور پر وہ حکم دیا تھا، اب جب کہ وہ ضرورت باقی نہیں رہی تمہارے لئے کھانے کھلانے اور محفوظ رکھنے کی پوری گنجائش ہے) ۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۹۲) عَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا كُنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ لُحُوْمِهَا اَنْ تَاْكُلُوْهَا فَوْقَ ثَلٰثٍ لِكَيْ تَسَعَكُمْ جَاءَ اللّٰهُ بِالسَّعَةِ فَكُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَائْتَجِرُوْا اَلَا وَاِنَّ هٰذِهِ الْاَيَّامَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ ــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) نُبیشَہ ہُذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (عیدالاضحیٰ کے موقع پر فرمایا) پہلے ہم نے قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے کی ممانعت کردی تھی، اور یہ پابندی اس لئے لگائی گئی تھی کہ سب لوگوں کو گوشت اچھی طرح مل جائے، اب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے (وہ تنگدستی اور فقرو فاقہ والی بات اب نہیں رہی ہے بلکہ اللہ کے کرم سے لوگ اب خوشحال ہیں، اس لئے (اب وہ پابندی نہیں ہے) اجازت ہے، لوگ کھائیں اور محفوظ رکھیں، اور قربانی کا ثواب بھی حاصل کریں ــــ یہ دن کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے ہیں ــــ (سنن ابی داؤد)

(**تشریح**) جیسا کہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا قربانی کے گوشت کے بارے میں اجازت ہے کہ جب تک چاہیں کھائیں اور رکھیں۔ اور آخری حدیث کے آخری جملہ سے معلوم ہوا کہ ایام تشریق میں بندوں کا کھانا پینا بھی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، گویا یہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ضیافت کے دن ہیں، لیکن اس کھانے پینے کے ساتھ اللہ کی یاد اور اس کی تکبیر و تحمید تقدیس و توحید سے بھی زبان تر رہنی چاہئے ــــــ اس کی آمیزش کے بغیر اللہ کے بندوں کے لئے ہر چیز بے ذائقہ ہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَر اَللّٰهُ اَكْبَر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر
اَللّٰهُ اَكْبَر وَلِلّٰهِ الْحَمْد

طوافِ زیارت اور طوافِ وداع :ــــــــــــ

حج کے اعمال و مناسک اور ان کی ترتیب سے جیسا کہ سمجھا جا سکتا ہے اس کا اہم مقصد بیت اللہ کی تعظیم و تکریم اور اس کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار ہے جو ملتِ ابراہیمیؑ کا خاص شعار ہے ــــــ اس لئے جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے مکہ معظمہ میں حاضری کے بعد حج کا سب سے پہلا عمل طواف ہی کرنا ہوتا ہے، یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو کر پہلے تحیۃ المسجد بھی نہیں پڑھی جاتی، بلکہ طواف پہلے کیا جاتا ہے۔ اور دوگانۂ طواف اس کے بعد پڑھا جاتا ہے۔ ــــــ حاجی کے اس پہلے طواف کا معروف اصطلاحی نام ہی "طوافِ قدوم" ہے (یعنی حاضری کا طواف)۔ اس کے متعلق احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔

اس کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی اور حلق سے فارغ ہونے کے بعد ایک طواف کا حکم ہے اس کا معروف اصطلاحی نام "طوافِ زیارۃ" ہے۔ یہ وقوفِ عرفات کے بعد حج کا سب سے اہم رکن ہے ــــــ پھر حج سے فارغ ہونے کے بعد جب حاجی مکہ معظمہ سے اپنے وطن واپس ہونے لگے تو حکم ہے کہ وہ آخری وداعی طواف کر کے واپس ہو، اور اس کے سفر حج کا آخری

عمل بھی طواف ہی ہو، اس کا معروف اصطلاحی نام طواف وداع اور طواف رخصت ہے ——
ان دونوں طوافوں سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے!

(۱۹۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَرْمُلْ فِی السَّبْعِ الَّذِیْ اَفَاضَ فِیْہِ۔

—————— رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت کے سات چکروں میں رمل نہیں کیا (یعنی پورا طواف عادی رفتار سے کیا) —————— (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) پہلے گزر چکا ہے کہ حاجی جب مکۂ معظمہ حاضر ہو کر پہلا طواف کرے (جس کے بعد اس کو صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی کرنی ہوگی) تو اس طواف کے پہلے تین چکروں میں وہ رمل کرے گا۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام صحابہ نے ایسا ہی کیا تھا، اس کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو آپ نے منیٰ سے مکۂ معظمہ آکر طواف زیارت کیا اس میں آپ نے رمل نہیں کیا، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تصریح ہے

(۱۹۴) عَنْ عَائِشَۃَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخَّرَ طَوَافَ الزِّیَارَۃِ یَوْمَ النَّحْرِ اِلَی اللَّیْلِ۔

—————— رواہ الترمذی و ابوداؤد وابن ماجۃ

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت کو موخر کیا (یعنی اس کی تاخیر کی اجازت دے دی) دسویں ذی الحجہ کی رات تک۔

—————— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ طوافِ زیارت کے لئے افضل دن یوم النحر

(عیدالاضحیٰ) کا دن ہے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ اس دن کے ختم ہونے کے بعد رات میں بھی وہ کیا جا سکتا ہے اور اس رات کا طواف بھی افضلیت کے لحاظ سے ۱۰ ذی الحجہ ہی کا طواف شمار ہوگا ——— عام عربی قاعدے کے مطابق رات کی تاریخ اگلے دن والی تاریخ ہوتی ہے اور ہر رات اگلے دن کے ساتھ لگتی ہے لیکن حج کے مناسک اور احکام میں بندوں کی سہولت کے لئے اس کے برعکس قاعدہ مقرر کیا گیا ہے اور ہر دن کے بعد والی رات کو اُس دن کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ اسی بنا پر جو طواف ۱۰ ذی الحجہ کا دن گزرنے کے بعد رات میں کیا جائے گا وہ ۱۰ ذی الحجہ ہی میں شمار ہوگا اگرچہ عام قاعدے کے لحاظ سے وہ ۱۱ ذی الحجہ کی رات ہے۔

(۱۹۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُونَ فِي كُلِّ وَجْهٍ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْفِرَنَّ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ إِلَّا أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ (حج کرنے کے بعد) اپنے اپنے وطنوں کے رُخ پر چل دیتے تھے (طواف وداع کا اہتمام نہیں کرتے تھے) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک وطن کی طرف کوچ نہ کرے جب تک کہ اس کی آخری حاضری بیت اللہ پر نہ ہو (یعنی جب تک کہ طواف وداع نہ کرلے) البتہ جو عورت خاص ایام کے عذر کی وجہ سے طواف سے معذور ہو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس کو طوافِ وداع معاف ہے)

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ اس حدیث میں صراحۃً مذکور ہے پہلے لوگ طواف وداع کا اہتمام اور پابندی نہیں کرتے تھے۔ ۱۲ یا ۱۳ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کرکے اور رمی جمرات وغیرہ

وہاں کے مناسک ادا کرکے اپنے اپنے وطنوں کو چل دیتے تھے ــــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس کے وجوب اور اہمیت کا اعلان فرمایا چنانچہ فقہا نے طواف وداع کو واجب قرار دیا ہے، البتہ حدیث کی تصریح کے مطابق وہ مستورات جو اپنے خاص ایام کی وجہ سے طواف سے معذور ہوں، وہ اگر طواف زیارت کرچکی ہیں تو بغیر طواف وداع کئے مکۂ معظمہ سے وطن رخصت ہوسکتی ہیں ــــــ ان کے علاوہ ہر بیرونی حاجی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ملک کی طرف روانہ ہونے سے پہلے وداع اور رخصت ہی کی نیت سے آخری طواف کرے اور یہی حج کے سلسلے کا اُس کا آخری عمل ہو۔

(۱۹۶) عَنِ الْحَارِثِ الثَّقَفِيِّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلْيَكُنْ اٰخِرُ عَهْدِهٖ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ۔

ــــــ رواہ احمد

(ترجمہ) حارث ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ــ جو شخص حج یا عمرہ کرے تو چاہئے کہ اس کی آخری حاضری بیت اللہ پر ہو اور آخری کا عمل طواف ہو ــــــ (مسند احمد)

(۱۹۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِيْمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ، فَقَضَيْتُ عُمْرَتِيْ وَانْتَظَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ وَاَمَرَ النَّاسَ بِالرَّحِيْلِ قَالَتْ وَاَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ فَطَافَ بِهٖ ثُمَّ خَرَجَ۔

ــــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع کے سفر میں قیام مکہ کی اُس آخری رات میں جس میں مدینہ کی طرف واپسی ہونے والی تھی) میں نے مقام تنعیم جاکر عمرہ کا احرام باندھا، اور عمرہ کے ارکان (طواف، سعی وغیرہ) ادا کئے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (منیٰ اور مکہ کے درمیان) مقام ابطح میں میرا انتظار فرمایا۔ جب میں عمرہ سے فارغ ہو چکی تو آپ نے لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور آپ طوافِ وداع کے لئے بیت اللہ کے پاس آئے اور طواف کیا، اور اسی وقت مکہ سے مدینہ کی طرف چل دیئے ــــــــــــــــ

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب حجۃ الوداع کے سفر میں مدینہ سے روانہ ہوئی تھیں تو آپ نے تمتع کا ارادہ کیا تھا اور اس وجہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا، لیکن جب مکۂ معظمہ کے قریب پہونچیں، تو (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) خاص ایام شروع ہو گئے جس کی وجہ سے وہ عمرہ کا طواف وغیرہ کچھ بھی نہ کر سکیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آپ نے عمرہ ترک کر کے ۸ر ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ لیا، اور آپ کے ساتھ پورا حج کیا۔ ۱۳ر ذی الحجہ کو جمرات کی رمی کر کے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم منیٰ سے واپس ہوئے تو آپ نے ابطح میں قیام فرمایا اور رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی رات میں آپ نے حضرت صدیقہؓ کو اُن کے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ بھیجا کہ حدودِ حرم سے باہر تنعیم جاکر وہاں سے عمرہ کا احرام باندھیں اور عمرہ سے فارغ ہو کر آجائیں، اس حدیث میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب عمرہ سے فارغ ہو کے آئیں تو آپ نے قافلے کو کوچ کرنے کا حکم دیا، قافلہ ابطح سے مسجد حرام آیا، آپ نے اور آپ کے اصحاب کرامؓ نے سحر میں طوافِ وداع کیا اور اسی وقت مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے ــــــــــــ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمرہ اس عمرہ کی قضا تھا جو احرام باندھنے کے باوجود نہ کر سکی تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طوافِ وداع مکہ معظمہ سے روانگی ہی کے وقت کیا جائے۔

طواف کے بعد ملتزم سے چمٹنا اور دُعا کرنا:

خانۂ کعبہ کی دیوار کا تقریباً دو گز کا جو حصّہ حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کے درمیان ہے وہ ملتزم کہلاتا ہے۔ حج کے مسنون اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ اگر موقع ملے تو طواف کے بعد اس ملتزم سے چمٹ کے دُعا کی جائے۔ مندرجۂ ذیل حدیث سے معلوم ہوگا کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایسا ہی کیا تھا۔

(۱۹۸) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ أَطُوْفُ مَعَ أَبِيْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَرَأَيْتُ قَوْمًا الْتَزَمُوا الْبَيْتَ فَقُلْتُ لَهُ انْطَلِقْ بِنَا نَلْتَزِمُ الْبَيْتَ مَعَ هٰؤُلَاءِ فَقَالَ أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ طَوَافِهِ الْتَزَمَ الْبَيْتَ بَيْنَ الْبَيْتِ وَالْحَجَرِ وَقَالَ هٰذَا وَاللهِ الْمَكَانُ الَّذِيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْتَزَمَهُ

رواه البیہقی بھذا اللفظ

(ترجمہ) عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ میں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کر رہا تھا، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ بیت اللہ سے چمٹ رہے ہیں تو میں نے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمروؓ) سے عرض کیا کہ ہم کو یہاں لے چلئے ان لوگوں کے ساتھ ہم بھی ان کی طرح بیت اللہ سے چمٹ جائیں؟۔ انھوں نے فرمایا کہ:۔ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں مردود شیطان سے (مطلب غالباً یہ تھا کہ اگر میں طواف کے درمیان ان لوگوں کی طرح ملتزم کی خاص جگہ کا لحاظ کئے بغیر بیت اللہ کی کسی دیوار سے چمٹ جاؤں تو یہ خلافِ سنّت اور غلط کام ہوگا اور اس سے خدا راضی نہیں ہوگا بلکہ شیطان راضی ہوگا اور میں اس مردود سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں ——— شعیب کہتے ہیں کہ) پھر جب میرے دادا طواف سے فارغ ہوگئے تو دیوارِ کعبہ کے خاص اُس حصّہ پر آئے جو بابِ کعبہ اور حجرِ اسود کے درمیان ہے (جس کو ملتزم کہتے ہیں) اور مجھ سے فرمایا خدا کی قسم یہی وہ جگہ ہے جس سے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چمٹ گئے تھے۔ (سنن بیہقی)

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو ملتزم سے اس طرح چمٹ گئے کہ اپنا سینہ اور اپنا چہرہ اس سے لگا دیا اور ہاتھ بھی پوری طرح پھیلا کے اس پہ رکھ دیئے، اور فرمایا کہ میں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا ———

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملتزم سے چمٹنے والا یہ عمل طواف کے بعد ہونا چاہئے، اور اس کی خاص جگہ ملتزم ہی ہے۔ اللہ کے دیوانوں کو اس میں جو کیفیت نصیب ہوتی ہے وہ انھی کا حصہ ہے۔ اور حج کی خاص الخاص کیفیات میں سے ہے۔

فضائلِ حرمین

محدثینِ کرام کا دستور ہے کہ کتاب الحج ہی میں حرمینِ پاک کے فضائل کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں۔ اسی دستور کی پیروی میں حرم مکہ اور حرم مدینہ کے فضائل کی احادیث یہاں درج کی جا رہی ہیں۔

حرمِ مکہ کی عظمت :-

خانۂ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مقدس بیت (گھر) قرار دیا ہے، اور اسی نسبت سے شہر مکہ کو جس میں بیت اللہ واقع ہے بلد اللہ الحرام قرار دیا گیا ہے۔ گویا جس طرح دنیا بھر کے گھروں میں کعبۂ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت ہے اسی طرح دنیا بھر کے شہروں میں مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ کی نسبت کا خاص شرف حاصل ہے۔ پھر اسی نسبت سے اس کی ہر سمت میں کئی کئی میل کے علاقہ کو حرم (یعنی واجب الاحترام) قرار دیا گیا ہے اور اس کے خاص آداب و احکام مقرر کئے گئے ہیں اور ادب و احترام ہی کی بنیاد پر بہت سی ان باتوں کی بھی وہاں ممانعت ہے جن کی باقی ساری دنیا میں اجازت ہے، مثلاً ان حدود میں کسی کو شکار کی اجازت نہیں، جنگ اور قتال کی اجازت نہیں، درخت کاٹنے اور درختوں کے پتے جھاڑنے کی اجازت نہیں۔ اس محترم علاقہ میں ان سب چیزوں کو ادب و احترام کے خلاف گنہگارانہ جسارت

قرار دیا گیا ہے۔

اس علاقۂ حرم کی حدود پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے متعین کی تھیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں انہی کی تجدید فرمائی اور اب وہ حدود معلوم و معروف ہیں گویا یہ پورا علاقہ بلد اللہ الحرام کا صحن ہے اور اس کا وہی ادب و احترام واجب ہے جو اللہ کے مقدس شہر مکہ معظمہ کا ۔۔۔۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث ذیل میں پڑھئے :

(۱۹۹) عَنْ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ الْمَخْزُومِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ بِخَيْرٍ مَا عَظَّمُوا هٰذِهِ الْحُرْمَةَ حَقَّ تَعْظِيمِهَا فَإِذَا ضَيَّعُوا ذٰلِكَ هَلَكُوا ۔۔۔۔۔۔۔۔ رواہ ابن ماجۃ

(ترجمہ) عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت جب تک اس حرم مقدس کا پورا احترام کرتی رہے گی اور اس کی حرمت و تعظیم کا حق ادا کرے گی خیریت سے رہے گی اور جب اس میں یہ بات باقی نہ رہے گی برباد ہو جائے گی ۔۔۔۔۔۔۔۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) گویا بیت اللہ اور بلد اللہ الحرام (مکہ معظمہ) اور پورے علاقۂ حرم کی تعظیم و حرمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق اور سچی وفاداری کی علامت اور نشانی ہے۔ جب تک یہ چیز اجتماعی حیثیت سے امت میں باقی رہے گی اللہ تعالیٰ اس امت کی نگہبانی فرمائے گا اور وہ دنیا میں سلامتی اور عزت کے ساتھ رہے گی ۔ اور جب امت کا رویہ بحیثیت مجموعی اس بارے میں بدل جائے گا اور خانۂ کعبہ اور حرم مقدس کی حرمت و تعظیم کے بارے میں اس میں تقصیر آجائے گی تو پھر یہ امت اللہ تعالیٰ کی حمایت و نگہبانی کا استحقاق کھو دے گی، اور اس کے نتیجہ میں تباہیاں اور بربادیاں اس پر مسلط ہوں گی۔

ہمارے اس زمانہ میں سفر کی سہولتوں کی وجہ سے اور بعض دوسری وجوہ سے بھی اگرچہ حج کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے لیکن وہاں ساری دُنیا سے جو مسلمان آتے ہیں اُن کا طرزِ عمل بتاتا ہے کہ بیت اللہ اور حرمِ مقدس کے ادب و احترام کے لحاظ سے اُمّت میں بحیثیت مجموعی بہت بڑی تقصیر آ گئی ہے اور بلاشبہ یہ بھی ان اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے جن کی وجہ سے اُمّت مشرق و مغرب میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور نگہبانی سے محروم کر دی گئی ہے۔ اَللّٰهُمَّ عَافِنَا وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَعَامِلْنَا بِمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَلَا تُعَامِلْنَا بِمَا نَحْنُ اَهْلُهٗ۔

(۲۰۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ فَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَقَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاِنَّهٗ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ اِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهٗ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهٗ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهٗ اِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا قَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا الْاِذْخِرَ فَاِنَّهٗ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِمْ فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخِرَ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- اب ہجرت کا حکم نہیں رہا لیکن جہاد ہے اور نیت! تو جب تم سے راہِ خدا میں کوچ کرنے کو کہا جائے تو نکل دو ——— اور

اسی فتح مکہ کے دن آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ :۔ یہ شہر مکہ اللہ نے اس کو اسی دن سے محترم قرار دیا ہے جس دن کہ زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اسی وقت زمین کے اس قطعہ کو جس پر مکۂ معظمہ آباد ہے، اور اس کے آس پاس کے علاقۂ حرم کو واجب الاحترام قرار دیا، لہٰذا اللہ کے اس حکم سے قیامت تک کے لئے اس کا ادب و احترام واجب ہے) اور مجھ سے پہلے اللہ نے اپنے کسی بندے کو یہاں قتال فی سبیل اللہ کی بھی اجازت نہیں دی، اور مجھے بھی دن کے تھوڑے سے وقت کے لئے اس کی عارضی اور وقتی اجازت دی گئی تھی اور وہ وقت ختم ہو جانے کے بعد اب قیامت تک کے لئے یہاں قتال اور ہر وہ اقدام اور عمل جو اس مقدس جگہ کے ادب و احترام کے خلاف ہو حرام ہے، اس علاقہ کے خاردار جھاڑ بھی نہ کاٹے چھانٹے جائیں۔ یہاں کے کسی قابل شکار جانور کو پریشان بھی نہ کیا جائے اور اگر کوئی گری پڑی چیز نظر پڑے تو اس کو وہی اُٹھائے جو قاعدے کے مطابق اس کا اعلان اور تشہیر کرتا رہے، اور یہاں کی سبز گھاس بھی نہ کاٹی اکھاڑی جائے ـــــ (اس پر آپ کے چچا) حضرت عباسؓ نے عرض کیا: "اِذخر گھاس کو مستثنیٰ فرما دیا جائے، کیونکہ یہاں کے لوہار اس کو استعمال کرتے ہیں اور گھروں کی چھتوں کے لئے بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے؟"ـــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کے اس عرض کرنے پر اذخر گھاس کو مستثنیٰ فرما دیا۔

ـــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دو اعلانوں کا ذکر ہے، جو آپؐ نے فتح مکہ کے دن خاص طور سے فرمائے تھے ـــــ پہلا اعلان یہ تھا کہ: "اب ہجرت کا حکم نہیں رہا"ـــــ اس کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جب مکہ پر اہلِ کفر و شرک کا اقتدار تھا جو اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اور مکہ میں رہ کر کسی مسلمان کے لئے اسلامی زندگی گذارنا

گویا ناممکن تھا تو حکم یہ تھا کہ مکہ میں اللہ کا جو بندہ اسلام قبول کرے اس کے لئے اگر ممکن ہو تو وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر جائے جو اس وقت اسلامی مرکز اور روئے زمین پر اسلامی زندگی کی واحد تعلیم گاہ اور تربیت گاہ تھی۔ بہرحال ان خاص حالات میں یہ ہجرت فرض تھی اور اس کی بڑی فضیلت اور اہمیت تھی ــــــــ لیکن جب ۸ھ میں اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ پر بھی اسلامی اقتدار قائم کرا دیا تو پھر ہجرت کی ضرورت ختم ہو گئی، اس لئے آپ نے فتح مکہ ہی کے دن اعلان فرمایا کہ :۔ اب ہجرت کا وہ حکم اٹھا لیا گیا ــــــ اس سے قدرتی طور پر ان لوگوں کو بڑی حسرت اور مایوسی ہوئی ہو گی جن کو اب اسلام کی توفیق ملی تھی اور ہجرت کی عظیم فضیلت کا دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے وہ اس سعادت سے محروم رہ گئے تھے ــــــــ اُن کی اس حسرت کا مداوا فرماتے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ ہجرت کی فضیلت وسعادت کا دروازہ اگرچہ بند ہو گیا ہے لیکن جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ اور اللہ تعالیٰ کے سارے اوامر کی اطاعت کی نیت اور بالخصوص اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں ہر قربانی کے لئے دلی عزم و آمدگی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور بڑی سے بڑی سعادت اور فضیلت ان راہوں سے اللہ کا ہر بندہ حاصل کر سکتا ہے۔

دوسرا اعلان فتح مکہ کے دن آپ نے یہ فرمایا کہ :۔ یہ شہر مکہ جس کی عظمت و حرمت دورِ قدیم سے مسلّم چلی آرہی ہے یہ محض رسم و رواج یا کسی فرد یا پنچایت کی تجویز نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ازلی حکم سے ہے اور قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کا خاص ادب و احترام کیا جائے، یہاں تک کہ اللہ کے لئے جہاد و قتال جو ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت اور بڑے درجہ کی سعادت ہے یہاں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے کسی بندہ کو اس کی اجازت وقتی طور سے بھی نہیں دی گئی۔ مجھے بھی بہت تھوڑے سے وقت کیلئے اس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی تھی ...... وہ وقت ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی،

اب قیامت تک کے لئے کسی بندے کو یہاں قتال کی اجازت نہیں ہے ـــــــ جس طرح مخصوص سرکاری علاقوں کے خاص قوانین ہوتے ہیں اسی طرح یہاں کے خاص آداب اور قوانین ہیں، اور وہ وہی ہیں جن کا آپ نے اس موقع پر اعلان فرمایا ـــــــ قریب قریب اسی مضمون کی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔

(۲۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ اَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ ـــــــ رواہ مسلم

ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے ـــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) جمہور علماء اُمت کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مکہ اور حدود حرم میں کسی مسلمان کو دوسرے کے خلاف ہتھیار اُٹھانا اور اس کا استعمال کرنا جائز نہیں، یہ اس مقام مقدس کے ادب و احترام کے خلاف ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کو ہتھیار ہاتھ میں لینے کی اجازت ہی نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(۲۰۲) عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ الْعَدَوِیِّ اَنَّهٗ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِیْدٍ وَهُوَ یَبْعَثُ الْبُعُوْثَ اِلٰی مَکَّةَ اِئْذَنْ لِیْ اَیُّهَا الْاَمِیْرُ اُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهٖ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ يَّوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ اُذُنَایَ وَوَعَاهُ قَلْبِیْ وَاَبْصَرَتْهُ عَیْنَایَ حِیْنَ تَکَلَّمَ بِهٖ حَمِدَ اللهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مَکَّةَ حَرَّمَهَا اللهُ وَلَمْ یُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا

يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ يَّسْفِكَ
بِهَا دَمًا وَّلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا فَقُوْلُوْا لَهُ
اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُوْلِهٖ وَلَمْ يَاْذَنْ لَكُمْ وَاِنَّمَا
اَذِنَ لِيْ فِيْهَا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ وَقَدْ عَادَتْ
حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ
الْغَائِبَ فَقِيْلَ لِاَبِيْ شُرَيْحٍ مَا قَالَ لَكَ عَمْرٌو؟
قَالَ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِذَالِكَ مِنْكَ يَا اَبَا شُرَيْحٍ
اِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيْذُ عَاصِيًا وَّلَا فَارًّا بِدَمٍ وَّلَا
فَارًّا بِخَرْبَةٍ ـــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عمرو بن سعید سے
کہا جبکہ وہ (یزید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا اور اس کے حکم سے عبداللہ بن الزبیرؓ کے
خلاف) مکہ پر چڑھائی کرنے کے لئے لشکر تیار کرکے روانہ کر رہا تھا کہ:- اے امیر!
مجھے اجازت دیجئے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان بیان کروں جو
آپ نے فتح مکہ کے اگلے دن (مکہ میں) ارشاد فرمایا تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے آپ کا
وہ فرمان خود سُنا تھا اور میرے ذہن نے اس کو یاد کرلیا تھا اور جس وقت آپ کی
زبانِ مبارک سے وہ فرمان صادر ہو رہا تھا اس وقت میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں۔
آپ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، اس کے بعد فرمایا تھا کہ:- مکہ اور اس کے ماحول کو
اللہ نے محترم قرار دیا ہے، اس کی حرمت کا فیصلہ انسانوں نے نہیں کیا ہے، اس لئے جو
آدمی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حرام ہے کہ وہ یہاں خونریزی کرے،
بلکہ یہاں کے درختوں کا کاٹنا بھی منع ہے۔ (آپ نے فرمایا) اور اگر کوئی شخص میرے قتال کو

سند بنا کر اپنے لئے اس کا جواز نکالے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی، تجھے اجازت نہیں دی ہے، اور مجھے بھی اللہ نے ایک دن کے تھوڑے سے وقت کے لئے عارضی اور وقتی طور پر اجازت دی تھی، اور اس وقت کے ختم ہونے کے بعد وہ حرمت لوٹ آئی، اور اب قیامت تک کسی کے لئے اس کا جواز نہیں ہے ——

(اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ) جو لوگ یہاں موجود ہیں اور جنھوں نے میری یہ بات سُنی ہے وہ دوسرے لوگوں کو یہ بات پہونچادیں (اس لئے اے امیر! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں آپ کا یہ فرمان تم کو پہونچایا ہے) ——
ابو شریح سے کسی نے پوچھا کہ پھر عمرو بن سعید نے کیا جواب دیا، انھوں نے بتلایا کہ اُس نے کہا کہ:- ابو شریح! میں یہ باتیں تم سے زیادہ جانتا ہوں، حرم کسی نافرمان کو یا ایسے آدمی کو جو کسی کا ناحق خون کر کے یا کوئی نقصان کر کے بھاگ گیا ہو پناہ نہیں دیتا (یعنی ایسے لوگوں کے خلاف حرم میں بھی کارروائی کی جائے گی)۔

——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) اسلام کی پہلی ہی صدی میں سیاسی اقتدار کی ہوس رکھنے والوں نے اسلام کے ساتھ جو معاملہ کیا اور اس کے احکام کو اپنی اغراض کے لئے جس طرح توڑا مروڑا وہ تاریخ اسلام کا نہایت تکلیف دہ باب ہے۔ ابو شریح عدوی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، انھوں نے اموی حاکم عمرو بن سعید کے سامنے بر وقت کلمۂ حق کہہ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سُنا کے اپنا فرض ادا کردیا —— صحیحین کی اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ عمرو بن سعید نے جو بات کہی، ابو شریح نے اس کے جواب میں کچھ کہا یا نہیں۔ لیکن مسند احمد کی روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا:——

قَدْ كُنْتُ شَاهِدًا وَكُنْتَ غَائِبًا وَقَدْ — فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تھی میں اُس وقت

أَمَرَنَا أَنْ نُبَلِّغَ شَاهِدُنَا غَائِبَنَا وَقَدْ بَلَّغْتُكَ[1] — وہاں حاضر اور موجود تھا اور تم وہاں نہیں تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا تھا کہ جو یہاں موجود ہیں وہ میری یہ بات ان لوگوں کو پہونچادیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں ـــــ میں نے اس حکم نبوی کی تعمیل کردی اور تم کو یہ بات پہونچادی۔

ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ کے اس جواب میں یہ بھی مضمر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مقصد و منشاء سمجھنے کے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں جن کے سامنے آپ نے یہ بات فرمائی، اور جنھوں نے موقع پر حضورؐ سے یہ بات سُنی۔

(۲۰۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ حَمْرَاءَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا عَلَى الْحَزْوَرَةِ فَقَالَ وَاللّٰهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ وَلَوْلَا أَنِّيْ أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ۔

ـــــــــــــــــ رواہ الترمذی وابن ماجۃ

(ترجمہ) عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ مکہ میں حزورہ (ایک ٹیلے) پر کھڑے تھے اور مکہ سے مخاطب ہو کر فرمارہے تھے:۔ خدا کی قسم! تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر جگہ ہے اور اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب ہے، اور اگر مجھے یہاں سے نکلنے اور ہجرت کرنے پر مجبور نہ کیا گیا ہوتا، تو میں ہرگز تجھے چھوڑ کے نہ جاتا ــــــ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ مکہ معظمہ تمام روئے زمین میں سب سے

---

[1] فتح الباری کتاب المناسک، باب لا یعضد شجر الحرم۔ الخ

افضل اور باعظمت اور اللہ کے نزدیک محبوب ترین جگہ ہے، اور ہونا بھی یہی چاہیئے، کیونکہ اس میں کعبۃ اللہ ہے جو حق تعالیٰ کی خاص الخاص تجلی گاہ اور قیامت تک کے لئے اہل ایمان کا قبلہ ہے، جس کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی طواف کرتے تھے، اور اسی کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے ——— اسی مضمون کی حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

(۲۰۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَّةَ مَا اَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَاَحَبَّكِ اِلَيَّ وَلَوْلَا اَنَّ قَوْمِي اَخْرَجُوْنِي مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ ——— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔ تو کس قدر پاکیزہ اور دل پسند شہر ہے، اور تو مجھے کتنا محبوب ہے، اور اگر میری قوم نے مجھے نکالا نہ ہوتا تو میں تجھے چھوڑ کے کسی اور جگہ نہ بستا ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ یہ بات آپ نے کس موقع پر فرمائی۔ شارحین نے حضرت عبد اللہ بن عباس والی اس حدیث کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے یہ بات فتح مکہ کے سفر میں مکہ سے واپس ہونے کے وقت فرمائی تھی۔ واللہ اعلم ———

مدینہ طیبہ کی عظمت اور محبوبیت

اکثر محدثین کا دستور ہے کہ وہ اپنی مولفات میں حج وعمرہ سے متعلق حدیثوں کے ساتھ "باب فضل مکۃ" کے تحت مکہ معظمہ کی عظمت وفضیلت کی حدیثیں، اور انہی کے ساتھ

"باب فضل المدینہ" کے تحت مدینۂ طیبہ کی عظمت کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں۔ اسی طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے یہاں بھی پہلے مکۂ معظمہ سے متعلق احادیث درج کی گئی ہیں اور اب مدینۂ طیبہ سے متعلق درج کی جا رہی ہیں۔

(۲۰۵) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ سَمّٰى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ ——————— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ:۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام "طابہ" رکھا ہے ——————— (صحیح مسلم)

(تشریح) طابہ، طیبہ اور طیّبہ ان تینوں کے معنی پاکیزہ اور خوشگوار کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ نام رکھا اور اس کو ایسا ہی کر دیا، اس میں روحوں کے لئے جو خوشگواری، جو سکون واطمینان اور جو پاکیزگی ہے وہ بس اسی کا حصہ ہے۔

(۲۰۶) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَامًا وَاِنِّيْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَازِمَيْهَا اَنْ لَا يُهْرَاقَ فِيْهَا دَمٌ وَلَا يُحْمَلَ فِيْهَا سِلَاحٌ وَلَا يُخْبَطَ فِيْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا لِعَلَفٍ ——————— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ حضرت ابراہیم نے مکہ کے "حرم" ہونے کا اعلان کیا تھا (اور اس کے خاص آداب واحکام بتلائے تھے) اور میں مدینہ کے "حرم" قرار دیئے جانے کا اعلان کرتا ہوں، اس کے دونوں طرف کے دروں کے درمیان کا پورا رقبہ

واجب الاحترام ہے، اس میں خوں ریزی نہ کی جائے، کسی کے خلاف ہتھیار نہ اُٹھایا جائے (یعنی اسلحہ کا استعمال نہ کیا جائے) اور جانوروں کے چارے کی ضرورت کے سوا درختوں کے پتّے بھی نہ جھاڑے جائیں ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، مدینۂ طیبہ بھی سرکاری علاقہ کی طرح واجب الاحترام ہے، اور وہاں ہر وہ عمل اور اقدام منع ہے جو اس کی عظمت و حرمت کے خلاف ہو، لیکن اس کے احکام بالکل وہ نہیں ہیں جو حرم مکہ کے ہیں۔ خود اسی حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے، اس میں جانوروں کے چارہ کے لئے وہاں کے درختوں کے پتّے توڑنے اور جھاڑنے کی اجازت دی گئی ہے، جبکہ حرم مکہ میں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔

(۲۰۷) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ اَنْ يُّقْطَعَ عِضَاهُهَا اَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا وَقَالَ الْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ لَا يَدَعُهَا اَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا اِلَّا اَبْدَلَ اللّٰهُ فِيْهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَلَا يَثْبُتُ اَحَدٌ عَلٰى لَاْوَائِهَا وَجَهْدِهَا اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — میں حرم قرار دیتا ہوں مدینہ کے دونوں طرف کے سنگستانی کناروں کے درمیان کے علاقہ کو (یعنی اس کے واجب الاحترام ہونے کا اعلان کرتا ہوں، اور حکم دیتا ہوں کہ) اس کے خاردار درخت کاٹے نہ جائیں اور اس میں رہنے والے جانوروں کو شکار نہ کیا جائے ——— اسی سلسلہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ (بعض اشیاء کی کمی اور بعض تکلیفوں کے باوجود) مدینہ لوگوں کے لئے بہتر ہے

اگر وہ اس کی خیر و برکت کو جانے (تو کسی تنگی اور پریشانی کی وجہ سے اور کسی لالچ میں اس کو نہ چھوڑتے) جو کوئی اپنی پسند اور خواہش سے اس کو چھوڑ کے جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اپنے کسی ایسے بندے کو بھیج دے گا جو اس سے بہتر اور افضل ہوگا (یعنی کسی کے اس طرح چلے جانے سے مدینہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی بلکہ وہ جانے والا ہی اس کی برکات سے محروم ہو کر جائے گا) اور جو بندہ مدینہ کی تکلیفوں، تنگیوں اور مشقتوں پر صبر کر کے وہاں پڑا رہے گا میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا یا اس کے حق میں شہادت دوں گا۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) سفارش اس کی کر اس کے قصور اور اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں اور اس کو بخش دیا جائے۔ اور شہادت اس کے ایمان اور اعمال صالحہ کی اور اس بات کی کہ یہ بندہ تنگیوں تکلیفوں پر صبر کئے ہوئے مدینہ ہی میں پڑا رہا۔

(۲۰۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَصْبِرُ عَلٰی لَاوَاءِ الْمَدِیْنَةِ وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِیْ اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا جو امتی مدینہ کی تکلیفوں اور سختیوں پر صبر کر کے وہاں رہے گا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت و سفارش کروں گا۔

(صحیح مسلم)

(۲۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا رَاَوْا اَوَّلَ الثَّمَرَةِ جَاؤُا بِهٖ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَخَذَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا

وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنِّيْ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاَنَا اَدْعُوْكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهِ مَعَهُ ثُمَّ قَالَ تَدْعُوْا اَصْغَرَ وَلِيْدٍ لَهُ فَيُعْطِيْهِ ذَالِكَ الثَّمَرَ۔

—————— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کا دستور تھا کہ جب وہ درخت پر نیا پھل دیکھتے تو اس کو لاکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے، آپ اس کو قبول فرماکر اس طرح دُعا فرماتے: —— اے اللہ! ہمارے پھلوں میں اور پیداوار میں برکت دے، اور ہمارے شہر مدینہ میں برکت دے، اور ہمارے صَاع اور ہمارے مُد میں برکت دے۔ اے اللہ! ابراہیم تیرے خاص بندے اور تیرے خلیل، اور تیرے نبی تھے، اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ اُنھوں نے مکہ کے لئے تجھ سے دُعا کی تھی، اور میں مدینہ کے لئے تجھ سے ویسی ہی دُعا کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ اتنی ہی مزید —— پھر آپ کسی چھوٹے بچے کو بُلاتے، اور وہ نیا پھل اُس کو دے دیتے —————— (صحیح مسلم)

(تشریح) پھلوں اور پیداوار میں برکت کا مطلب تو ظاہر ہے کہ زیادہ سے زیادہ پیداوار ہو، اور فصل بھرپور ہو۔ اور شہر مدینہ میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ وہ خوب آباد ہو، اور اس کے رہنے والوں پر اللہ کا فضل ہو —— اور صَاع اور مُد دو پیمانے ہیں۔ اُس زمانہ میں غلہ وغیرہ کی خرید و فروخت ان پیمانوں ہی سے ہوتی تھی، ان میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ ایک صَاع یا ایک مُد جتنے آدمیوں کے لئے یا جتنے دنوں کے لئے کافی ہوتا ہے اُس سے زیادہ کے لئے کافی ہو۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُس دُعا کا ذکر ہے جو آپ نے اپنے بیوی بچے کو مکہ کی غیر آباد اور بے آب وگیاہ وادی میں بسا کر اللہ سے اُن کے لئے کی تھی کہ :۔
"اے اللہ! تو اپنے بندوں کے دلوں میں اِن کی محبت و مودّت ڈال دے، اور ان کو ان کی ضرورت کا رزق اور پھل وغیرہ پہونچا، اور یہاں کے لئے امن اور سلامتی مُقدر فرما!"
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بطور نظیر اس ابراہیمی دُعا کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ سے مدینہ کے لئے وہی دُعا، بلکہ مزید اضافے کے ساتھ کرتے تھے ـــــــ اس دُعا کا یہ ثمرہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا بھر کے جن ایمان والے بندوں کو مکہ سے محبت ہے اُن سب کو مدینۂ طیبہ سے بھی محبت ہے، اور اس محبوبیت میں تو اس کا حصہ مکہ سے یقیناً زیادہ ہے۔
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دُعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کا بندہ، اُس کا نبی اور اس کا خلیل کہا، اور اپنے کو صرف بندہ اور نبی کہا، حبیب ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ یہ تواضع اور کسرِ نفسی آپ کا مستقل مزاج تھا۔
بالکل نیا اور درخت کا پہلا پھل چھوٹے بچے کو بُلا کر دینے میں یہ سبق ہے کہ ایسے موقعوں پر چھوٹے معصوم بچوں کو مقدم رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ نئے پھل اور کمسن بچے کی مناسبت بھی ظاہر ہے۔

(۲۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَنْفِیَ الْمَدِیْنَةُ شِرَارَهَا كَمَا یَنْفِی الْكِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ۔

ـــــــــــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ ـــــ قیامت اُس وقت تک نہیں آئے گی جب تک مدینہ اپنے فاسد اور خراب عناصر کو اس طرح باہر نہ پھینک دے گا جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے

میل کو دُور کردیتی ہے ــــــــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) یعنی قیامت آنے سے پہلے مدینہ کی آبادی کو ایسے خراب عناصر سے پاک صاف کردیا جائے گا جو عقائد و افکار اور اعمال و اخلاق کے لحاظ سے گندے ہوں گے۔

(۲۱۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَنْقَابِ الْمَدِیْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَا یَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ ــــــــ رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ــــــ "مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں، اس میں طاعون اور دجّال داخل نہیں ہو سکتا" ــــــــ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) صحیحین ہی کی بعض دوسری حدیثوں میں مدینۂ طیبہ کے ساتھ مکۂ معظمہ کی بھی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ دجّال اس میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ یہ غالباً اُن دُعاؤں کی برکات میں سے ہے جو اللہ کے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اللہ کے حبیب حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مقدس و مبارک شہروں کے لئے کی تھیں۔

(۲۱۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّمُوْتَ بِالْمَدِیْنَةِ فَلْیَمُتْ بِهَا فَاِنِّیْ اَشْفَعُ لِمَنْ یَّمُوْتُ بِهَا۔

ــــــــ رواه احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ــــــ جو اس کی کوشش کر سکے کہ مدینہ میں اس کی موت ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ (اس کی کوشش کرے، اور) مدینہ میں مرے، میں اُن لوگوں کی ضرور شفاعت کروں گا جو مدینہ میں مرینگے (اور وہاں دفن ہونگے) ــــــ (مسند احمد، جامع ترمذی)۔

(تشریح) ظاہر ہے کہ یہ بات کہ موت فلاں جگہ آئے کسی کے اختیار میں نہیں ہے تاہم بندہ اس کی آرزو اور دعا کر سکتا ہے اور کسی درجہ میں اس کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جس جگہ مرنا چاہے وہیں جا کے پڑ جائے، اگر قضا و قدر کا فیصلہ خلاف نہیں ہے، تو موت وہیں آئے گی ——— بہرحال حدیث کا مدعا یہی ہے کہ جو شخص یہ سعادت حاصل کرنا چاہے، وہ اس کے لئے اپنے امکان کی حد تک کوشش کرے، اخلاص کے ساتھ کوشش کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ بھی مدد کرتا ہے۔

(۲۱۴) عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا وَقَبْرٌ يُحْفَرُ بِالْمَدِيْنَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِي الْقَبْرِ فَقَالَ بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا قُلْتَ قَالَ الرَّجُلُ اِنِّىْ لَمْ اُرِدْ هٰذَا اِنَّمَا اَرَدْتُّ الْقَتْلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مِثْلَ الْقَتْلِ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ بُقْعَةٌ اَحَبُّ اِلَىَّ اَنْ يَكُوْنَ قَبْرِىْ فِيْهَا مِنْهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔

——— رواہ مالک مرسلاً

(ترجمہ) یحییٰ بن سعید انصاری تابعی سے بطریق ارسال روایت ہے (یعنی وہ صحابی کا واسطہ ذکر کئے بغیر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں) کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (مدینہ کے قبرستان میں) تشریف فرما تھے، اور (کسی میت کی) قبر کھودی جا رہی تھی۔ ایک صاحب نے قبر میں جھانک کر دیکھا اور ان کی زبان سے نکلا کہ مسلمان کے لئے یہ اچھی آرامگاہ نہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ——— یہ تمہاری زبان سے بہت بری بات نکلی (ایک مسلمان کو مدینہ میں موت اور قبر نصیب ہوئی

اور تم کہتے ہو کہ مسلمان کے لئے یہ آرامگاہ اچھی نہیں) ۔ اُن صاحب نے (بطورِ معذرت) عرض کیا :۔ حضورؐ! میرا مطلب یہ نہیں تھا (کہ مدینہ میں موت اور قبر اچھی نہیں) بلکہ میرا مقصد راہِ خدا میں شہادت سے تھا (یعنی میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہ مرنے والے بھائی اگر بستر پر مرنے اور اس قبر میں دفن ہونے کے بجائے جہاد کے کسی میدان میں شہید ہوتے اور ان کی لاش وہاں خاک و خون میں تڑپتی تو اس قبر میں دفن ہونے سے یہ زیادہ اچھا ہوتا) رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ راہِ خدا میں شہید ہونے کے برابر تو نہیں (یعنی شہادت کا مقام تو بیشک بلند ہے، لیکن مدینہ میں مرنا، اور اس کی خاک میں دفن ہونا بھی بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے) روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں اپنی قبر کا ہونا مجھے مدینہ سے زیادہ محبوب ہو ـــــــ یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی ۔

(موطا امام مالک)

(**تشریح**) رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ شہادت فی سبیل اللہ کی فضیلت و عظمت بیشک مسلّم ہے اور بستر پر مرنا اور میدانِ جہاد میں اللہ کے لئے سر کٹانا برابر نہیں، لیکن مدینہ میں مرنا اور یہاں دفن ہونا بھی بڑی خوش بختی ہے، جس کی خود مجھے بھی چاہت اور آرزو ہے ۔

امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح بخاری میں کتاب الحج کے بالکل آخر میں مدینہ طیبہ کے فضائل کے سلسلہ کی حدیثیں ذکر کرنے کے بعد اس بیان کا خاتمہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اس مشہور دُعا پر کیا ہے کہ :

"اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِىْ شَهَادَةً فِىْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِىْ فِىْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ" (اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت بھی دے اور اپنے محبوب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک شہر (مدینہ) میں مرنا اور دفن ہونا بھی نصیب فرما!) ۔

اِس دُعا کا واقعہ ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت کیا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ انھوں نے یہ خواب حضرت عمرؓ سے بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے بڑی حسرت سے کہا:ــــــــــ

اَنّیٰ لِیْ بِالشَّھَادَۃِ وَاَنَا بَیْنَ	مجھے شہادت فی سبیل اللہ کیسے نصیب
ظَھْرَانَیْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ	ہوسکتی ہے جبکہ میں جزیرۃ العرب کے درمیان
لَسْتُ اَغْزُوْ وَالنَّاسُ	مقیم ہوں (اور وہ سب دارالاسلام بن چکا)
حَوْلِیْ ـــــــــ	اور میں خود جہاد نہیں کرتا، اور اللہ کے

بندے ہر وقت میرے آس پاس رہتے ہیں۔

پھر خود ہی کہا:ــــــــ

بَلٰی یَاْتِیْ بِھَا اللہ	مجھے شہادت کیوں نہیں نصیب ہوسکتی
انشاء	اگر اللہ چاہے گا تو انہی حالات میں مجھے
	شہادت سے نوازے گا۔

(فتح الباری بحوالہ ابن سعد)

اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے وہ دُعا کی جو اوپر درج کی گئی ہے:۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ ـــــــــ آپ کی زبان سے یہ دُعا سُن کر آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ:۔ "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ راہِ خدا میں شہید بھی ہوں، اور موت مدینہ میں بھی ہو؟" آپ نے فرمایا: "اللہ چاہے گا تو یہ دونوں باتیں ہوجائیں گی!"

اِس سلسلہ کی روایات میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس عجیب و غریب بلکہ بظاہر ناممکن سی دُعا سے تعجب ہوتا تھا اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دونوں باتیں کس طرح ہوسکتی ہیں۔ جب ابولؤلؤ نے مسجد نبویؐ کی محراب میں آپ کو زخمی کیا، تب سب نے سمجھا کہ دُعا کی قبولیت اس طرح مقدر تھی۔

بیشک جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اُس چیز کو واقع کر کے دکھا دیتا ہے جس کے امکان میں بھی انسانی عقلیں شبہ کریں ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔

مسجدِ نبویؐ کی عظمت و فضیلت

مسجد نبویؐ جس کی بنیاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینۂ طیبہ میں رکھی، پھر جس میں آپ نے عمر بھر نمازیں پڑھیں اور جو آپ کی ساری دینی سرگرمیوں، تعلیم و تربیت، ہدایت و ارشاد اور دعوت و جہاد کا مرکز بنی رہی ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے مقدس بیت خانۂ کعبہ اور مسجدِ حرام کے ماسوا دنیا کے سارے معبدوں پر عظمت و فضیلت بخشی ہے ـــــــ صحیح احادیث میں ہے کہ اس کی ایک نماز اجر و ثواب میں دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بڑھ کر ہے ۔

(۲۱۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِیْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ۔

ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ میری اس مسجد میں (یعنی مدینۂ طیبہ کی مسجد نبوی میں) ایک نماز، دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے ۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں مسجد نبویؐ کی نماز کو مکۂ معظمہ کی مسجدِ حرام کے علاوہ دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر بتلایا گیا ہے لیکن مسجد حرام کی نماز کے درجے سے

یہ حدیث ساکت ہے مگر دوسری مندرجہ ذیل حدیث میں اس کی بھی وضاحت فرمادی گئی ہے۔

(۲۱۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلٰوۃٌ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَفْضَلُ مِنْ مِأَۃِ صَلٰوۃٍ فِیْ ھٰذَا۔

———— رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نماز وں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، اور مسجد حرام کی ایک نماز میری اس مسجد کی سو نمازوں سے افضل ہے ———— (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دنیا کی عام مسجدوں کے مقابلہ میں مسجد نبوی میں نماز کا ثواب ہزار گنا بلکہ اُس سے بھی کچھ زیادہ ہے، اور مسجد حرام کی نماز مسجد نبوی کی نماز سے بھی سو درجہ افضل ہے یعنی عام مساجد کے مقابلہ میں مسجد حرام میں نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا بلکہ اُس سے بھی کچھ زیادہ ہے۔

(۲۱۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی فِیْ مَسْجِدِیْ اَرْبَعِیْنَ صَلٰوۃً لَا تَفُوْتُہٗ صَلٰوۃٌ کُتِبَ لَہٗ بَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَۃٌ مِّنَ الْعَذَابِ وَبَرَاءَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ۔

———— رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے میری اس مسجد میں مسلسل ۴۰ نمازیں پڑھیں ایک نماز بھی فوت نہیں ہوئی اس کے لئے لکھدی جائے گی نجات اور براءت دوزخ سے اور گھر عذاب سے اور اسی طرح براءت نفاق سے ——— (مسند احمد معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) بعض اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی خاص مقبولیت اور محبوبیت کی وجہ سے بڑے بڑے فیصلوں کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس حدیث میں مسجد نبوی میں مسلسل ۴۰ نمازیں ادا کرنے پر بشارت سنائی گئی ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں فرمان الٰہی ہو جائے گا کہ یہ بندہ نفاق کی نجاست سے بالکل پاک ہے اور دوزخ اور ہر قسم کے عذاب سے اس کو نجات اور چھٹی ہے۔

(۲۱۷) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ۔

——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے، اور میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے۔

——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مسجد نبوی میں جس جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا منبر مبارک تھا جس پر رونق افروز ہو کر آپ خطبات دیتے تھے (اور وہ جگہ اب بھی معلوم اور متعین ہے) تو آپ نے فرمایا کہ منبر کی اس جگہ اور آپ کے حجرۂ شریفہ کے درمیان جو قطعۂ زمین ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں کا خاص مورد اور محل ہے اور اس کی وجہ سے وہ گویا جنت کے باغوں میں سے

ایک باغیچہ ہے اور اس لئے اس کا مستحق ہے کہ اللہ کی رحمت اور جنّت کے طالبوں کو اس کے ساتھ جنّت کی سی دلچسپی ہو۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان و اخلاص کے ساتھ اللہ کی رحمت اور جنّت کا طالب بن کر اس قطعۂ زمین میں آیا وہ گویا جنّت کے ایک باغیچہ میں آگیا اور آخرت میں وہ اپنے کو جنّت کے ایک باغیچہ ہی میں پائے گا۔

حدیث کے آخر میں آپ نے فرمایا ہے کہ: "میرا منبر میرے حوض پر ہے" اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ آخرت میں حوض کوثر پر میرا منبر ہوگا، اور جس طرح اس دنیا میں اس منبر سے میں اللہ کے بندوں کو اس کی ہدایت پہونچاتا ہوں اور پیغام سُناتا ہوں اسی طرح آخرت میں اُس منبر سے جو حوض کوثر پر میرا نصب ہوگا اس خداوندی ہدایت کے قبول کرنے والوں کو رحمت کے جام پلاؤں گا، پس جو کوئی قیامت کے دن کے لئے آب کوثر کا طالب ہو وہ آگے بڑھ کر اس منبر پر سے دیئے جانے والے پیغام ہدایت کو قبول کرے اور اس دنیا میں اس کو اپنی رُوحانی غذا بنائے۔

(۲۱۸) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ ھٰذَا۔

———— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- دنیا میں صرف تین مسجدیں ہیں، ان کے سوا کسی مسجد کے لئے رخت سفر نہ باندھا جائے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی) ———— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ عظمت و شرف صرف ان تین مسجدوں کو حاصل ہے کہ ان میں اللہ کی عبادت کرنے کے لئے سفر کرنا درست ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کا

باعث ہے۔ ان کے علاوہ کسی مسجد کو یہ درجہ اور شرف حاصل نہیں ہے، بلکہ اُن کے لئے سفر کرنے کی ممانعت ہے۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث کا تعلق صرف مساجد سے ہے، اور بلاشبہ اس حدیث کی رو سے مسجد حرام اور مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے سوا دنیا کی کسی بھی مسجد میں عبادت کے لئے سفر کرنا ممنوع ہے لیکن دوسرے جائز دنیوی و دینی مقاصد مثلاً تجارت، تحصیل دین، صحبت صلحاء اور تبلیغ و دعوت وغیرہ کے لئے سفر کرنے سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں۔

زیارت روضۂ مطہّرہ

اگرچہ روضۂ اقدس نبوی کی زیارت حج کا کوئی رکن یا جز نہیں ہے، لیکن قدیم سے امت کا یہ تعامل چلا آرہا ہے کہ خاصکر دور دراز علاقوں کے مسلمان جب حج کو جاتے ہیں تو روضۂ پاک کی زیارت اور وہاں صلوٰۃ و سلام کی سعادت بھی ضرور حاصل کرتے ہیں۔ اسی لئے حدیث کے بہت سے مجموعوں میں کتاب الحج کے آخر میں زیارتِ نبویؐ کی حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں، اسی دستور کی پیروی کرتے ہوئے کتاب الحج کے اس سلسلہ کو ہم بھی زیارتِ نبویؐ ہی کی حدیثوں پر ختم کرتے ہیں۔

(۲۱۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ ——— رواه البيهقي في شعب الايمان والطبراني في الكبير والاوسط

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے حج کیا اور اُس کے بعد میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد، تو وہ (زیارت کی سعادت حاصل کرنے میں) اُنہی لوگوں کی طرح ہے جنھوں نے میری حیات میں میری زیارت کی ——— (شعب الایمان للبیہقی، معجم کبیر و معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر مبارک میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنی منور قبور میں زندہ ہونا جمہور امت کے مسلمات میں سے ہے، اگرچہ حیات کی نوعیت میں اختلاف ہے۔ اور روایات اور خواص امت کے تجربات سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو امتی قبر مبارک پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں آپ اُن کا سلام سُنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ایسی صورت میں بعد وفات آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہونا اور سلام عرض کرنا ایک طرح سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے اور بالمشافہ سلام کا شرف حاصل کرنے ہی کی ایک صورت ہے، اور بلاشبہ ایسی سعادت ہے کہ اہل ایمان ہر قیمت پر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

(۲۲۰) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔

——— رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ والدارقطنی والبیہقی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی ——— (صحیح ابن خزیمہ، سنن دارقطنی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس سلسلۂ "معارف الحدیث" کی جلد اوّل میں وہ حدیثیں درج ہو چکی ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک ایک امتی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی ہر چیز سے (حتیٰ کہ اپنے ماں باپ، اہل وعیال اور خود اپنی ذات سے بھی) زیادہ نہ ہو اس وقت تک اس کو ایمان کی حقیقت ولذت حاصل نہیں ہو سکتی ——— اور روضۂ اقدس نبوی کی زیارت بلاشبہ اس محبت کے لازمی تقاضوں میں سے ہے، اور گویا اس کی ایک عملی صورت ہے۔ عربی شاعر نے کہا ہے۔ ؎

اَمُرُّ علی الدیار دیارِ لیلیٰ ٭ اُقَبِّلُ ذا الجدار و ذا الجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی ٭ ولکن حب من سکن الدیارا

(حاشیہ ص ۲۹۵ پر)

علاوہ ازیں زیارت کے وقت زائر کے قلب مومن کی جو کیفیت ہوتی ہے اور جوارِ نبوی کی برکت سے ایمانی عہد کی تجدید، گناہوں پر ندامت و شرمساری، انابت الی اللہ اور توبہ استغفار کی جو لہریں اُس وقت اُس کے قلب میں اُٹھتی ہیں اور محبت نبوی کے جو جذبات موجزن ہوتے ہیں اور محبت و ندامت کے ملے جلے جذبات آنکھوں سے جو آنسو گراتے ہیں، ان میں سے ہر چیز ایسی ہے جو شفاعتِ نبوی بلکہ مغفرتِ خداوندی کو بھی واجب کر دیتی ہے، اس لئے اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں کہ روضۂ اقدس نبوی کے ہر صاحب ایمان زائر کو انشاء اللہ ضرور شفاعت نبوی نصیب ہوگی ——— ہاں اگر بد نصیبی سے کوئی "زائر" ایسا ہے جس کے قلب کو ان کیفیات و جذبات اور ان واردات میں سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا تو سمجھنا چاہئے کہ اس کا قلب دولتِ ایمان سے خالی ہے پھر اس کی زیارت حقیقی زیارت نہیں صرف صورتِ زیارت ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہاں کسی عمل کی بھی صرف صورت معتبر نہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے جن منافع اور برکات و مصالح کا اوپر ذکر کیا گیا اگر ان کو پیشِ نظر رکھ کے اُن احادیث پر غور کیا جائے جو اس زیارت کی ترغیب میں مروی ہیں تو خواہ سند کے لحاظ سے ان پر کلام کیا جا سکے لیکن معنوی لحاظ سے وہ دین کے پورے

(صفحہ ۲۹۴ کا حاشیہ) لہ میں جب اپنی محبوبہ لیلیٰ کی بستی سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو، اور دراصل اس بستی کے گھروں کی محبت نے میرے دل کو اپنا دیوانہ نہیں بنایا ہے بلکہ میں تو اس بستی میں بسنے والے محبوب پر فدا ہوں۔

لہ شیخ تقی الدین سبکی شافعیؒ نے اپنے رسالہ "شفاء السقام" میں (جو انھوں نے اپنے خیال کے مطابق حافظ ابن تیمیہؒ کے رد میں لکھا ہے) زیارت روضۂ مطہرہ کی فضیلت و ترغیب میں متعدد حدیثیں نقل کی ہیں جن میں سب سے پہلی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہی حدیث ہے (من زار قبری وجبت له شفاعتی)۔ پھر شیخ سبکیؒ نے اس کی سند اور اس کے متعدد طرق پر بسیط کلام کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث کم از کم حسن درجہ کی (بقیہ صفحہ ۲۹۶ پر)

فکری اور عملی نظام کے ساتھ بالکل مربوط اور ہم آہنگ نظر آئیں گی اور ذہنِ سلیم اس پر مطمئن ہو جائے گا کہ قبر مبارک کی یہ زیارت صاحبِ قبر صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ ایمانی تعلق اور محبت و توقیر میں اضافہ اور دینی ترقی کا خاص وسیلہ ہے، یقین ہے کہ ہر خوش نصیب صاحبِ ایمان بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے زیارت کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا ہے اس کی شہادت دے سکے گا۔

زیارت روضۂ اقدس کے آداب یہ عاجز پوری تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ——— "آپ حج کیسے کریں؟" ——— میں لکھ چکا ہے۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں انشاء اللہ بڑی رُوحانی لذتیں پائیں گے۔

"معارف الحدیث" (جلد چہارم) زیارتِ نبویؐ کے اِس مختصر بیان پر ختم ہوئی۔

فللّٰہ الحمد وعلیٰ رسولہ الصلوٰۃ والسلام

(ص ۲۹۵ کا بقیہ حاشیہ) ضرور ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کے ایک شاگرد حافظ ابو عبداللہ عبدالہادی حنبلی نے "شفاء السقام" کے جواب "الصارم المنکی" میں شفاء السقام کی مندرجہ تمام احادیث پر محدثانہ کلام کرکے دکھایا ہے کہ یہ سب حدیثیں ضعیف یا منکر ہیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے تسلیم کیا ہے کہ قبرِ نبویؐ کی زیارت از قبیلۂ قربات و مستحبات اور موجبِ کار ہے۔ اور لکھا ہے کہ ہمارے شیخ امام ابن تیمیہؒ کا مسلک بھی یہی ہے، اور جو لوگ ان کی طرف اس کے خلاف منسوب کرتے ہیں وہ شیخؒ پر افترا کرتے ہیں۔ بلکہ انھوں نے ابن تیمیہؒ کے مناسک کے حوالہ سے زیارتِ نبویؐ کے پورے آداب اور محبت و توقیر سے بھرپور اور ایمان افروز ایک سلام بھی نقل کیا ہے جو حافظ ابن تیمیہؒ نے زائرین ہی کے لئے لکھا ہے ———

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجۂ بالا حدیث کی سندی حیثیت کے متعلق معتدل رائے حافظ ذہبیؒ کی معلوم ہوتی ہے۔ مُلّا علی قاریؒ نے شرح شفا میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: ———

ولہ طرق وشواھد حسنہ الذھبی لاجلھا — اس حدیث کے بہت سے طرق اور شواہد ہیں جن کی وجہ سے اس کو ذہبی نے حسن قرار دیا ہے۔

(شرح شفا ملا علی قاری ص ۱۴۹ ۔ جلد ۲)